قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ — القرآن الکریم

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

ماہنامہ

المرشد

لاہور

یکے از مطبوعات: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ۔ دار العرفان۔ منارہ۔ ضلع چکوال

مئی ۱۹۹۰ء
شوال ۱۴۱۰ھ

شمارہ : ۱۰
جلد : ۱۱

بدلِ اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
تاحیات	۱۰۰۰ روپے

غیر ملکی

سری لنکا۔ بھارت بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکن ڈالر
تاحیات	۱۰۰۔ امریکن ڈالر

رقم / چندہ مضامین برائے اشاعت، تبصرے، شکایات اشتہارات وغیرہ بھیجنے کے لیے

المرشد، دیگر مطبوعات اور کیسٹ وغیرہ منگوانے کے لیے

دفتر ماہنامہ "المرشد"
الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور۔ فون ۲۲۰۳۵۷

ماہنامہ المُرشد کے :

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ،
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ نشر و اشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم۔ اے (عربی) ایم۔ اے (اسلامیات)

ناظم اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

سرکولیشن : مِرزا اسدّ علی بیگ

طباعت : سیّد اکرام الحق

آرٹ : صلاح الدین ایوبی

پبلشر : حافظ عبد الرزاق

پرنٹر : طیّب جمال پرنٹرز

۲/۱ ریٹی گن روڈ، اچھرہ، فیروز روڈ، لاہور

فہرست

اداریہ ۴

زندگی کے مسائل کا حل ۵

بلندیوں کے دیس میں ۱۱

مدینہ کی راہ میں ۱۸

یہ فرقے ۲۵

مُردہ دِلوں کی آبیاری ۳۰

آپ نے پوچھا ۳۲

جشن الیکشنوں کا ۳۵

فِکرِ اُمّت ۳۸

اداریہ

اللہ کریم نے کسی بھی دور میں اپنی مخلوق کو حق پر چلنے اور دعوتِ حق دینے والے افراد یا جماعت سے محروم نہیں رکھا ہے۔ ایسی جماعت یا افراد نہ صرف خود حق پر قائم رہتے ہیں بلکہ دوسروں کو تاریکیوں سے نکال کر حق کی راہ پر ڈالتے ہیں۔ بہترین مثال صحابہ کرامؓ کی ذواتِ مقدسہ ہیں کہ پہلے اپنی زندگیوں کو حق کے راستے پر ڈالا اور پھر اللہ کریم نے اُن کو روئے زمین پر حق پھیلانے کی توفیق بھی عطا فرما دی۔

آج اس کفر و الحاد کے دور میں، اللہ کریم نے یہ سعادت اِس سلسلہ عالیہ کو بخشی ہے تو ہم پر وہی دو بھاری ذمہ داریاں بھی عاید ہوتی ہیں۔ اوّل، کہ اپنی زندگی مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر دیں، ہمارا ہر فعل، ہر قدم اور ہر فیصلہ اُس کے بتائے ہوئے اُصولوں کے مطابق ہو۔ اللہ ہی نے زندگی دی ہے تو اسے بھی عبادت سمجھ کر بھرپور طریقے سے گزارہ جائے۔ ساتھ ہی ہمارے قلب کی ہر دھڑکن اللہ کی یاد سے خالی نہ ہو۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، ہر حال میں قلب اللہ کے ذِکر سے معمور ہو۔ ہماری سوچ کا ہر لمحہ اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو۔

دوسری ذمہ داری جو ہم پر، اِس جماعت کے ہونے کی حیثیت میں، عاید ہوتی ہے۔ کہ حق کی یہ دعوت اللہ کی مخلوق کو دیتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعوتِ حق ایک مظلوم غلام کو بھی دی اور اُس وقت کی عظیم مملکتوں کے بڑے بڑے شہنشاہوں اور حکمرانوں کو بھی اِس دعوت سے محروم نہیں رکھا۔ خوش نصیب تھے وہ جنہوں نے قبول کر لیا اور بدنصیب اس جہاں سے محروم ہی چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ سے ہمارے عشق و محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اُن کی تقلید میں، انسانیت تک وہ پیغامِ حق پہنچانے میں مصروف رہیں۔

اللہ کریم نے اس جماعت کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ اُن میں ایک بخشش وہ قوتِ دعوت بھی ہے جو انسانیت تک اس سلسلہ عالیہ کے ذریعے پہنچ رہی ہے۔ یہی دن ہوتے ہیں کہ ہمارے شیخ المکرم ان نعمتوں کو لیکر زمین کے اُن خطوں تک پہنچ جاتے ہیں جہاں انسانی قلوب اب تک اِن برکات سے محروم ہیں۔ اُن کے اِس سفر سے کتنے خوش نصیب سینے روشن ہو جاتے ہیں۔ اور کتنے قلوب قربِ الٰہی سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ اِن ایام میں انوار کرۂ ارض کا کچھ اس طرح احاطہ کر لیتے ہیں کہ اُن کی تقسیم میں اللہ کریم کے جلال میں سخاوت ہی سخاوت نظر آتی ہے۔ سخاوتِ فیض کے اس موقع پر، اگر ہم یہ سوچ کر صرف اپنے دُنیاوی معاملات نبٹانے میں مصروف رہیں کہ ہمارے شیخ المکرم اس وقت بیرونِ ملک میں ہیں تو یہ سوچ سلسلہ عالیہ سے خلوص کے ساتھ منسلک، کسی ساتھی کے کردار کی عکاس نہیں ہو گی۔ خصوصاً اس عرصہ میں تو ہر ساتھی اُسی خلوص، جذبے اور جوش کے ساتھ، اس فیض کو اپنے اردگرد بسنے والوں میں تقسیم کرتا ہوا نظر آئے۔ جو جتنی ہمت کرتا ہے اللہ کریم اُسے کئی گنا زیادہ قوت دیتا ہے۔ اپنے بہن بھائی، ماں باپ کو دعوت دیں۔ اپنے بیوی بچوں کو اس فیض سے سیراب کریں۔ اپنے کسی دوست اور پڑوسی کو محروم نہ رہنے دیں۔ کوشش ضرور کریں۔ اللہ نے ہر دل میں حق کے لیے گنجائش رکھی ہے۔ پیار و محبت کے ساتھ ہر دل کو اس روشن مینار تک لائیں۔ آگے اللہ جسے چاہے گا خود ہی سنبھال لے گا۔ آپ کا خلوص جذبہ اور کوشش اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر حال میں آپ کے ساتھ ہے۔ ہاں جب ۱۲ جولائی کو آپ سالانہ اجتماع میں شامل ہونے آئیں تو آپ کے قلب کو یہ سکون نصیب ہو کہ آپ نے کسی ڈوبتے کو ڈوبنے سے بچا لیا ہے۔

تاج رحیم

زندگی کے مسائل کا حل

حضرت مولانا محمد اکرم

قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اس کی ہر آیت زندگی کے ہر سوال کا بھرپور جواب ہے یہ الگ بات ہے کہ اس کی کم و بیش ساڑھے چھ ہزار سے زائد آیات ہیں جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ محض رب جلیل کا کرم ہے کہ اُس نے اپنے اتنے طویل کلام سے اپنے بندوں کو نوازا ہے ورنہ اس کی ہر آیت زندگی کے ہر سوال کا جواب اپنے اندر رکھتی ہے اگر صرف ایک ہی آیت عطا کر دی جاتی تو انسانی زندگی کے سارے مسائل کا حل اُسی میں موجود ہوتا یہ اللہ کریم کا کرم اور اُس کا احسان عظیم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو اتنے کریمانہ اور اتنے لمبے خطاب سے نوازا اور اتنی مبارک آیات تلاوت کے لئے عمل کے لئے یاد کرنے کے لئے سینوں میں، دلوں میں سجانے کے لئے، نور ایمان کو بڑھانے کے لئے عطا فرمائیں وہ جو کسی نے کہا تھا

؎ بیک نقطۂ تو ان گفتن تمنائے جہانے را

تو دنیا بھر کی آرزوئیں ایک نقطہ میں بیان کی جا سکتی ہیں۔

؎ من از بحرِ حضوری طول دادن داستانِ را۔

میں نے تو آپ کی بارگاہ میں حاضر رہنے کے لئے بات کو لمبا کر دیا کہ جتنی دیر بات چلتی رہے گی اُس کی حضوری حاصل رہے گی۔

ان آیات کریم نے ایک بڑا صاف اور عام فہم اصول ارشاد فرما دیا جس کے متعلق غالباً میری ڈاک میں آج بھی آدھے سے زیادہ خطوط ہیں اور ہمیشہ ہوتے ہیں اور بڑے سادہ سادہ معصومانہ جملے ہوتے ہیں کہ ذکر کے لئے فرصت نہیں ملتی۔ نماز میں سستی ہو جاتی ہے کہ آپ نے لکھا تو تھا لیکن وقت نہیں ملتا۔ توجہ نہیں رہتی۔ خیال آتے ہیں اس لئے ذکر نہیں ہو سکتا۔ پھر اپنی پریشانیوں کی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے۔ اُن کے علاج کے لئے کوئی تعویز مانگے جاتے ہیں۔ انسان اپنے آپ کے ساتھ عجیب دھوکا کرنا چاہتا ہے تعویذوں کا بھی میں نے بارہا سمجھایا ہے کہ مختلف قسم کے علاج ہیں۔ ایلوپیتھی ایک طب ہے ہومیوپیتھی ایک طب ہے یونانی ایک طب ہے۔ اسی طرح سے قرآن کریم کی آیات کو پڑھ کر دم کر دینا بھی ایک طب ہے۔ آپ کسی ایلوپیتھک ڈاکٹر کو مافوق الفطرت نہیں سمجھتے کسی ہومیوپیتھ کو مافوق الفطرت نہیں سمجھتے کسی طبِ یونانی کے ماہر کو فوق الفطرت نہیں سمجھتے اُس سے علاج کرواتے ہیں کہ وہ تجربہ کار ہے۔ یہی حال دم کرنے والے کا اُس وقت تک ہے جب تک وہ مسنون دعا پڑھ کر دم کرے یا قرآن کی آیت پڑھ کر دم کرے۔ اس حد کے اندر رہے اور اگر اس سے نکل کر شیطانی عملیات میں پڑ گیا۔ تو یہ کفر میں لے جاتا ہے۔

اُن تینوں طبّوں میں عقیدے کی بربادی کا خطرہ نہیں ہے دم میں اُس کا خطرہ بھی ہے میں چاہتا ہوں۔ آپ مجھ سے تعویذ لینا چھوڑ دیں آپ میرے ساتھ پیری میں حصہ ٹھوالیں۔ آپ خود پیر بن جائیں۔ آپ سمجھتے ہیں جو کمال مجھ میں ہے ہمارے بزرگوں میں ہے جس کمال پہ آپ فریفتہ ہیں۔ کہ اللہ نے مجھے تم سے زائد دے رکھا ہے آپ وہ کمال میرے ساتھ شیئر (SHARE) کیوں نہیں کر لیتے اُس میں حصے دار کیوں نہیں بن جاتے۔ صرف نبوت ایک ایسا مقام ہے جو نبی کے لئے ہوتا ہے دوسرے کے لئے نہیں۔ نبی کے بعد اُمت میں اعلیٰ ترین مقام صحابیت ہوتا ہے صحابی بننے پر کوئی پابندی نہیں۔ مرد صحابی بنا۔ صحابی عورت آئی۔ صحابی اَن پڑھ آیا صحابی پڑھا لکھا آیا۔ صحابی جوان آیا صحابی بوڑھا آیا۔ جو بھی بارگاہِ عالی میں حاضر ہوا وہ صحابی بن گیا۔ صحابی تو سب بن گئے البتہ اُن کے اپنے اپنے مقامات ہیں۔ کسی کا علمی پایہ بلند ہے کسی کا ورع و تقویٰ دوسرے کی نسبت بلند ہے کسی کا جہاد کا وصف لیکن نفسِ صحابیت میں تو سب شامل ہو گئے۔

تو کیا ولایت اتنی قیمتی ہو سکتی ہے کہ کسی ایک فرد کی یا ایک ہی خاندان کی وراثت بن جائے؟ یہ وراثت تو سب مسلمانوں کے لئے ہے تعویذ لینے چند دم یاد کرنے کے یا چند پھونکیں مارنے کی بجائے آپ اُس وراثت میں سے حصہ کیوں نہیں لیتے۔ جیسے آپ سمجھتے ہیں کہ میں دم کروں یا تعویذ لکھوں تو اُس میں برکت ہوتی ہے اگر وہ انوارات، وہ قوت، برکات میرے دل میں، میرے سینے میں ہیں تو دعوت عام ہے۔ آپ بھی وہ لے جائیں۔ آپ خلوصِ نیت کے ساتھ لینا چاہتے ہیں اور میں آپ کو نہیں دے سکتا۔ تو اس کا مطلب ہے میرے پاس بھی نہیں ہوں گے۔

البتہ اُن کے حصول کے لئے کچھ محنت کرنا پڑتی ہے۔ یا وہ گوئی سے بچنا پڑتا ہے بُری صحبت اور حرام رزق سے بچنا پڑتا ہے اگر یہ تکلیف آپ سے نہیں ہوتی تو ربِ جلیل نے بڑی صاف بات فرمائی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو میری بات سمجھ لو کھری کھری بات ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے یَنْصُرْكُمْ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ سیدھی سی بات ہے یعنی تم اگر چاہتے ہو کہ تمہیں بزرگوں سے فائدہ ہو تمہیں دین سے فائدہ ہو۔ تمہیں قربِ الٰہی نصیب ہو تو اپنی طرف بھی دیکھو کہ اللہ کے دین کے نفاذ کے لئے اللہ کے کام کے لئے اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اللہ کے نبی کے فرمان کے لئے تم کیا کر رہے ہو؟ تو جب تم اپنے بارے میں کہتے ہو کہ تمہیں فرصت نہیں ملتی۔ تو تمہارے لئے اللہ کریم کے پاس سادہ سا جواب ہے کہ تمہیں فرصت نہیں ہے تو مجھے بھی تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ یعنی جو غرض مند ہے جو محتاج ہے وہ تو کہتا ہے کہ مجھے آپ سے بات کرنے کی فرصت ہی نہیں جو بے نیاز ہے اُس کو کیا پڑی ہے کہ اُس کا کام کرنے کے لئے چل پڑے۔ ربّ العالمین نے کتنی سادہ اور صاف بات فرمائی تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے فرمایا دیکھو اور بات کی ایمانداروں سے۔

ایمان کے ترجمے تو میرے پاس دو ہیں۔ ایمان کی اصل تو وہ محبت ہے وہ تعلق ہے، وہ رابطہ ہے، جو سود و زیاں سے انسان کو بیگانہ کر دیتا ہے۔ ایمان اُس کیفیت کا نام ہے اُس تعلق کا نام ہے کہ جو جب اللہ کے ساتھ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قائم ہو جائے پھر عزت بے عزتی نفع و نقصان بھلائی برائی کا معیار صرف یہ رہ جائے کہ میرا یہ تعلق قائم رہے اُس پر کچھ بھی لٹتا ہے وہ لٹ جائے۔ یعنی سود و زیاں سے بات آگے چلی جائے۔ اللہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا یہ درجہ ایمان کہلاتا ہے۔ عام الفاظ میں اس کی سادہ سی تعبیر یہ ہے کہ ہمیں حضورؐ کے ارشاد پہ اعتبار ہو۔ یہ کم از کم ہے کہ جو حضورؐ نے فرمایا وہ سچ ہے ورنہ ایمان کی اصل تو محبت ہے۔ محبت کیا ہے، تاثیرِ محبت کس کو کہتے ہیں؟

؎ تیرا مجبور کر دینا میرا مجبور ہو جانا

سادہ سی بات ایسا تعلق ہو جائے کہ آدمی بے بس ہو جائے اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہو ہی نہ سکے۔ اللہ کی نافرمانی کو وہ برداشت نہ کر سکے بس بے اختیار ہو جائے اگر کبھی بتقضائے بشریت کوئی پاؤں پھسل جائے تو اُسے اتنا دکھ اتنا درد لگے اتنی تکلیف ہو کہ ناقابلِ برداشت ہو جائے جس طرح ہمیں دنیا سے محبت ہوتی ہے۔

اگر کسی کے پانچ روپے یا ایک روپیہ یا ایک چونی تک گر جائے تو ہم اُس جگہ بار بار آ کر دیکھتے ہیں کہ وہاں پر میرا چار آنے کا سکہ گرا تھا۔ دو روپے کی انگوٹھی گر جائے تو بار بار اُس مٹی کو چھانتے ہیں لیکن جب ہمارے اعمال ضائع ہوتے ہیں وقت ضائع ہوتا ہے فرائض ضائع ہو جاتے ہیں تو ہم نے کبھی خود سے باز پرس کی ہے؟ کہ یہاں میرا کچھ کھو گیا تھا۔ تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ جیتم سے نیکی چھوٹتی ہے تو تمہیں کتنی فکر لگتی ہے جب دنیا

چھوٹتی ہے تو کتنی فکر لگتی ہے کونسا پہلو ہے جس کی طرف تمہاری محبت زیادہ ہے ایسی محبت جو بے بس کر دے فرمایا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ایمان کا تقاضا یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کی محبت میں بے بس ہو جاتے ہیں اور کسی چیز کی محبت مال کی، اولاد کی، انسان کی، زمین کی، جائیداد کی، گھر بار کی، کسی چیز کی محبت انہیں اللہ کی محبت سے ہٹا نہیں سکتی۔ تقاضائے ایمان یہ ہوتا ہے۔ اگر ہم اس معاملے میں یہ کہیں کہ اللہ کریم ہمارے پاس تو تیری بات کرنے کے لئے، سجدہ کرنے کے لئے، تجھے یاد کرنے لئے تیری اطاعت کے لئے فرصت نہیں ہے اور تو مہربانی کر۔ ہماری مشکلیں آسان کرتا رہ۔ تو کیا یہ مذاق نہیں ہے۔

کوئی مولوی، کوئی پیر اگر کسی کو کوئی تسلی دے کہ اللہ کی اطاعت کرو یا نہ کرو، تمہارے کام ہوتے رہیں گے اور پیر کہ وہ اس کو گمراہ نہیں کر رہا تو کل کو قیامت کے دن اس بات کا نہ کوئی مولوی جواب دے سکے گا۔ نہ پیر کی جرأت ہوگی وہاں کھڑا ہونے کی۔ نہ کسی بات سے بچا سکے گا۔ معاملہ تو اللہ کے ساتھ ہوگا۔ اللہ کریم نے یہ نہیں کہا کہ ہر آدمی توپ چلائے۔ ہر آدمی ہوائی جہاز اڑائے۔ اللہ تو اتنا کریم ہے فرمایا۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا جو کام تم کر نہیں سکتے اس کے بارے میں تم سے پوچھوں گا ہی نہیں۔ جس کام کی تمہیں صحت اجازت نہیں دیتی۔ تم روزہ نہیں رکھ سکتے تمہاری صحت اجازت نہیں دیتی میں تم سے روزے کے بارے میں پوچھوں گا ہی نہیں تم پر معاف۔ میں پرسش ہی کروں گا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم احترام رمضان ہی نہ کرو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میری یاد ہی بھول جاؤ۔ باقی جو ارکان ہیں وہ بھی بھلا دو وہ بھی چھوڑ دو۔ فرمایا۔ دیکھو سادہ سی بات ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اب یہ بات تو محبت و شفقت کی ہے ڈاکٹر اقبال نے قوم کے اصل مرض کی طرف اشارہ کیا ہے۔

؎ دل دارم و محبوب ندارم

یعنی ان کے سینے میں دل تو ہے لیکن ان کے پاس کوئی محبوب نہیں ہے انہیں اللہ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ محبت نہیں ہے جو اہل دل کو ہونی چاہیئے۔ بات وہی ہے اگر محبت ہو اور ایک مشت غبار جس کی کوئی حیثیت نہ ہو۔ ایک ایسا انسان ہو جسے معاشرے میں کوئی نہ پوچھتا ہو۔ کوئی پوچھے نہ پوچھے سلطان ہو فقیر ہو لیکن رب جلیل اس سے پکار کر بات کرتا ہے کہ اے میرے ایماندار بندے میری بات سن۔ بجائے خود یہ کتنی عزت کا مقام ہے کہ بندے کو اللہ کریم مخاطب فرمائیں اس سے بات کریں شفقت اور پیار سے کہتے ہیں فرمائیں کہ دیکھو۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے میرے بندو جنہیں ایمان نصیب ہے۔ میری بات سن لو۔

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ اگر تم نے اللہ کی مدد کی۔ اللہ کی مدد کیا ہے کیا ہم نے اللہ کے مکان پہ چھت ڈالنا ہے؟ اس کے کسی کام میں ہاتھ بٹانا ہے؟ اللہ کی مدد کرنا تو یہ ہے کہ اللہ کے دین کی خدمت کی جائے اللہ کے احکام کی پابندی کی جائے۔ اللہ کے دین کی احیاء کی کوشش کی جائے اس پر جس حد تک ممکن ہو خود عمل کیا جائے۔ جہاں تک ممکن ہو۔ دوسروں تک پہنچایا جائے جہاں تک اس کے غلبے کے لئے ہو سکے کوشش کی جائے۔ فرمایا اگر یہ کام تم کرو يَنصُرْكُمْ اللہ تمہاری مدد کرے گا سادہ سی بات ہے اس میں کسی کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ میری کیا پریشانی ہے مجھے کیا دکھ ہے مجھے کیا تکلیف ہے تم میرا کام کرو میں تمہارا کام کروں گا۔

اب اس قانون کو آپ الٹ کر دیکھیں تو کیا معنی ہوگا کہ تم میرا کام چھوڑ دو گے میں تم پر شفقت نہیں کروں گا۔ سادہ سی بات ہے بالکل سیدھا سا قانون ہے اگر تم اللہ کے دین کی خدمت کرو گے اللہ نہ صرف تمہاری مدد کرے گا بلکہ

وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ وہ زمین پر تمام اقوام عالم کے سامنے تمہیں ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑا کر دے گا۔ کوئی تمہیں تمہاری جگہ سے ہلا نہیں سکے گا۔ اب رہی یہ بات کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ کفر کرتے ہیں وہ عیش بھی تو کرتے ہیں اور اس غلط فہمی میں تم اعمال چھوڑ دیتے ہو عبادات چھوڑ دیتے ہو۔ انسان اذکار میں غفلت کرتا ہے سوچتا ہے لوگ کفر میں بھی گزارہ کر رہے ہیں ان کے بھی کام ہو ہی رہے ہیں فرمایا۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ

جو لوگ کفر میں پڑ گئے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دلدل میں گر پڑا ہو اور ہر لمحے وہ نیچے دھنستا جا رہا ہو۔ اب اگر کوئی کہے کہ وہ تو صحیح سلامت جا رہا ہے تو سلامت کیسے جا رہا ہے جبکہ نیچے ہی نیچے دھنس رہا ہے اس لئے کہ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ان کی کوئی کوشش بار آور نہیں ہوتی۔ ان کا کوئی عمل، ان کا کوئی

مثبت نتیجہ نہیں نکلتا۔ اس لئے کہ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ اُن کا جرم یہی تھا کہ جو اللہ نے نازل فرمایا یعنی دین سے انہوں نے کراہت کی۔ اُسے پسند نہیں کیا۔ وہ کہتے تھے۔ یہ مصیبت یہ جھنجھٹ ہم سے نہیں ہوتا۔ اب اگر کافر بھی یہ کہے کہ یہ جھنجھٹ مجھ سے نہیں ہوتا اور تم صرف دعویٰ ایمان کرو اور عمل نہ کرو اور کہو کہ ہم سے بھی یہ مصیبت نہیں اٹھائی جاتی تو تمہارے اور اُن کے نتائج میں فرق کیا ہوگا۔

یہ کہنے سے کہ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ اُس کے اعمال ضائع ہوگئے فرمایا۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا تم نے زمین پر پھر کر نہیں دیکھا ہے انسانی تاریخ نہیں پڑھی روئے زمین کو نہیں دیکھا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ تم سے پہلے کتنی کتنی طاقتور قومیں دنیا میں آئیں انہوں نے کتنے تکبر اختیار کئے کتنا کفر کیا کتنے مضبوط گھر بنائے شہر بسائے آج آپ زمین کھودتے ہیں تو کہیں سے کھنڈر نکلتے ہیں کہیں سے ویران تباہ حال شہر نکلتے ہیں تو کبھی یہ آباد بھی تھے کتنی رونقیں تھیں لاکھوں کی آبادیاں تھیں دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ برباد کر دیا رب کریم نے ان کو تباہی بھیج دی۔ ان سب پر وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا کافروں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ تو قانون ہے فرمایا جو بھی اللہ کے دین کی مخالفت کرے گا۔ بالآخر تباہ ہوگا۔ بالآخر وہ اپنے انجام کو پہنچے گا۔

آج آپ اس صدی میں دیکھ لیں کہ سوشلزم طوفان کی طرح اُٹھا اور ملکوں کے ملک اُس نے اپنی لپیٹ میں لے لئے۔ پاکستان میں بھی اُس کے حق میں دلائل دینے والے اتنے لوگ تھے کہ چلاتے چلاتے اُن کی زبانیں خشک ہوگئیں کہ ایشیا سُرخ ہے ایشیا سُرخ ہے صرف پاکستان کو نہیں بلکہ سارے ایشیا کو سُرخ کرنے چلے تھے اب وہ بھی اپنی لنگوٹی سبز کر رہے ہیں۔ اب نام نہیں لیتے۔ کتنی بڑی بڑی طاقتیں ہیں۔ چائنہ ہے روس کی پوری طاقت ہے اور وہ طاقتیں جو اُس کے ساتھ اشتراک رکھتی ہیں۔ لیکن ان سب کی ساری کوششوں کے باوجود ستر پچھتر سالوں میں اب سوشلزم کا جنازہ نکل رہا ہے سوشلزم بنانے والے خود کو گالیاں دے رہے ہیں خود روس والے چلا رہے ہیں کہ ہم کس مصیبت میں پھنس گئے۔ اس لعنت سے جان چھڑا رہے ہیں خود ہی کس شدت سے تردید کر رہے ہیں۔ جو اسلام پر پھبتیاں کستے تھے اب انہیں اُن کے سوشلزم کو چھپنے کی جگہ نہیں ملتی ہمارے ملک میں یہی پیپلز پارٹی جو حکمران ہے سوشلزم کا نام لیتے تھکتی نہیں تھی۔ انہوں نے سوشلزم کو مسلمان بھی کر لیا تھا اور اُسے اسلامی سوشلزم بنا لیا تھا۔ اب یہ بھی بھاگ گئے اس کا نام لینے سے۔ یعنی اس قدر رسوا ہُوا۔ وہ نظام۔ کسی نے احسان نہیں کیا ہم پر ملک پر یا قوم پر بلکہ وہ نظام خود ہی بُری طرح فیل ہُوا کہ ہر کوئی اُسے چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ جسے پوچھو وہ کہتا ہے میں تو اس کو نہیں مانتا میں تو کبھی نہیں مانتا تھا۔ اور کل تک ہمارے سامنے دلائل دیتے تھے کہ یہ اسلام سے بہتر ہے۔

دوسری طرف چودہ سو سال بیت گئے پندرہویں صدی جا رہی ہے پوری دنیا کا کفر ٹکریں مار مار کر اسلام کے مقابلے میں اسلام پر ناروا تنقید کر کے، غلط روایات وضع کر کے، غلط واقعات ٹھونس ٹھونس کر، تاریخی واقعات کو موڑ توڑ کر، جو بدمعاشی کفار سے ہو سکی وہ کرتے رہے۔ اس کے باوجود اسلام جس نورانیت، جس چمک دمک، جس سکون کا حامل اور روز اول تھا آج بھی وہی عزت و عظمت، وہی محبت، وشفقت، وہی نور، وہی روشنی، وہی سب کچھ اُس کے دامن میں موجود ہے۔

فرمایا! یہ تو تمہارے سامنے ہے تاریخ عالم تمہارے سامنے ہے زمین خود سب سے بڑا ورق ہے تاریخ کا۔ زمین کا چہرہ جو ہے یہ بہت بڑی کتاب ہے۔ خود اس کو دیکھو كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ تم سے پہلے جو لوگ گزرے اُن کا انجام کیا ہُوا دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ کفر کا نتیجہ سوائے تباہی کے کچھ نہیں ہُوا اللہ نے برباد کر دیا اُن کو جو اللہ کے قانون سے ٹکرائے۔ اللہ کے دین کو جنہوں نے مٹانا چاہا۔ احکام الٰہی کی جنہوں نے پرواہ نہیں کی۔ آخر اللہ کریم نے انہیں برباد کر دیا وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا۔ اور کفر کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے یعنی کفر کی پوری تاریخ پڑھ لو تو ہمیشہ کبھی بیس سال کبھی پچاسی سال کبھی سو سال کبھی دو سو سال اگر اُسے فرصت مل بھی گئی تو انجام کار تباہی اُس کا مقدر بن گئی اس کی وجہ بن گئی اس کی وجہ یہ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمانداروں کا دوست مددگار مالک اللہ ہے وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ کافر کوئی مالک، کوئی معاون، کوئی مددگار نہیں

رکھتا۔ بے یار و مددگار ہوتا ہے فرمایا یہ دنیا کا نظام تو بڑی معمولی سی چیز ہے عارضی وقتی لمحاتی بات ہے دنیا کی راحتیں بھی محدود، دنیا کی جوانی بھی چند روزہ، یہاں کی امارت بھی گنتی کے دن۔ ایمان تو ایسی دولت ہے اِنَّ اللّٰہَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ۔ ایمان تو ایسی دولت ہے کہ دنیا میں تو آبادی محتاج ہے پانی کی اور جنت میں پانی محکوم ہے تمہاری آبادیوں کا جہاں تم باغ لگاؤ گے پانی وہاں جائے گا یعنی یہاں باغ پانی کے محتاج ہیں جہاں پانی پہنچتا ہے وہاں باغ لگا سکتے ہو تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ؕ وہ جنت کے باغ ایسے ہیں جہاں باغ لگاؤ گے پانی اُس کے تابع ہوگا۔ پانی کی ذمہ داری ہے کہ وہاں پہنچے۔ یعنی راحتیں تلاش کرتی ہیں اپنے مکینوں کو۔ دنیا میں راحت تلاش کرنے کے لئے مکین کو سفر کرنا پڑتا ہے اور جنت کی راحت اپنے طالب کو تلاش کرتی ہوئی اُس تک پہنچتی ہے اتنا بڑا فرق ہے فرمایا تم دنیا کی بات کرتے ہو اللہ فرماتے ہیں آخرت بھی ایمان دار کے لئے ہے لیکن ایماندار کون ہیں۔

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ جو عملی زندگی اختیار کرتے ہیں۔ رہی کافر کی بات تم کہتے ہو۔ کافر عیش کر رہے ہیں فرمایا نہیں، کافر بے چارا تو دنیا میں بھی انسانی معیار ضائع کر چکا ہے۔ تم اگر کافر کی زندگی کو بچشم غور دیکھو تو اللہ فرماتے ہیں۔ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَتَمَتَّعُوۡنَ وَیَاۡکُلُوۡنَ کَمَا تَاۡکُلُ الۡاَنۡعَامُ کافر کی آخرت تو گئی۔ دنیا میں بھی وہ انسانی سطح سے گر جاتا ہے۔ کھاتا پیتا بھی ہے اُس کی اولاد بھی ہوتی ہے لیکن اُس کی زندگی محض جانور کی زندگی رہ جاتی ہے۔ جانور اور انسان کی زندگی میں ایک بنیادی فرق ہوتا ہے۔

انسان کی زندگی میں ایک معیار ہوتا ہے ہر چیز کو حاصل کرنے کا، جائز و ناجائز کا، غلط اور صحیح کا۔ جانور کی زندگی میں یہ معیار نہیں ہوتے جانور کو جو خواہش پیدا ہوتی ہے اُس کے اپنے مزاج میں اُس کی تعمیل اور اُس کی تکمیل کے لئے وہ دوڑتا ہے اُسے شرم نہیں ہوتی اُسے کوئی ڈر نہیں ہوتا اُسے جب تک آپ پتھر نہیں ماریں لاٹھی نہیں ماریں وہ فصل اُجاڑ دے گا۔ اُسے پلیتاب آتا ہے تو وہ چلتے چلتے کرتا ہے گلی میں گوبر کرتا ہے اُسے شرم نہیں آتی وہ ان چیزوں سے کیا گذرا ہے اُسے یہ فرق نہیں ہے کسی جانور کو کوئی فرق

ان اقوال زریں میں کچھ قرآن کی باتیں ہیں۔ کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہیں۔ کچھ مختلف مفکرین کے خیالات ہیں۔ لیکن سب ہی اچھی باتیں ہیں۔ سب ہی علم و حکمت کی باتیں ہیں۔

۱ انسان کو چار چیزیں بلند کرتی ہیں۔
علم۔ حلم۔ کرم اور خوش اخلاقی۔

۲ زندگی دریا ہے۔ آخرت اس کا ساحل اور تقویٰ کشتی ہے۔

۳ دولت تین چیزوں کا نام ہے۔ علم، شرافت اور عبادت۔

۴ خدا کے نزدیک سب سے پیاری بات والدین کی اطاعت ہے

۵ جاہل سے بڑھ کر کوئی محتاج نہیں، اور علم سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔

۶ علم کے سبب کبھی کسی نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ مگر دولت اور اقتدار کے سبب کئی لوگ خدائی کے دعویدار بن گئے

۷ تم زندگی کا سفر جس راستے پر طے کر رہے ہو اس پر ایسے نقش بناتے جاؤ کہ آنے والی نسلیں اس راستے پر آئیں تو عبرت حاصل کرتی جائیں۔

۸ انسان علم کا بہت بوجھ اٹھانے کے باوجود خود کو پھول کی طرح محسوس کرتا ہے۔

۹ کامیابی صرف ایک مرتبہ آتی ہے اور مصیبت کئی بار آتی ہے۔

۱۰ اپنے حقوق کے لیے لڑو۔ کمزور اور نہتے لوگوں کے لیے کوشش جاری رکھو۔

کرے جس کے پاس طاقت ہے طاقت سے خدمت کرے جس کے پاس اقتدار ہے اقتدار سے خدمت کرے جو جتنا کر سکتا ہے ورنہ کم از کم اپنے آپ کو تو اُس پر عامل بناؤ حرام سے بچو حلال ذرائع رزق کے پیدا کرو فرمایا۔

یَنۡصُرُکُمۡ میں تمہاری مدد کے لئے حاضر ہوں تمہارے کام میں کروں گا کتنی صاف سیدھی سی سادہ سی بات ہے۔

اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے ٹوٹی پھوٹی نیکیاں قبول فرمائے اور ہمیں دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

ہے کہ اُس نے لباس پہنا ہُوا ہے یا ننگا ہے ؟ کسی جانور کو فرق ہے کہ یہ اس کی بیٹی ہے یا بہن ہے یا بیوی ہے یا ماں ہے ؟ کسی جانور کو فرق ہے کہ حلال ہے یا حرام ہے ؟ تو یہ جتنا اسلام سے باہر معاشرہ ہے اس میں آپ جاکر دیکھیں کہ یہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں یہ موجودہ تہذیب جو ہے یہ ہے ہی وہی کہ بغیر لباس کے رہنا حرام کھانا، حرام پینا، جھوٹ بولنا، کسی سے کوئی تعلق نہیں، کسی کی کوئی عزت نہیں، کسی کی کوئی نہ ماں ہے نہ باپ ہے، نہ بیوی ہے، نہ بہن ہے، نہ بھائی ہے، نہ کسی کا کوئی پرسان حال ہے۔ اب بالکل جانوروں سے بھی گئی گذری زندگی ہے کہ ہر شخص محض خواہشات کی تکمیل کے لئے سرگرداں ہے تو اللہ کریم نے کتنی خوبصورت تصویر کھینچ دی کہ تم کہتے ہو کافر بھی گزارا کر رہا ہے کہاں گزارا کر رہا ہے کھا پی تو رہے ہیں لیکن کیا یہ جانور یہ گدھے یہ کتے یہ خنزیر یہ بچے نہیں دے رہے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ جانوروں کی طرح بچے دے رہے ہیں کھا پی رہے ہیں کوئی انسانی قدر اُن میں نہیں بچی انسانی اقدار وہ رکھ ہی نہیں سکے جب تک نورِ ایمان نہ ہو انسانی اقدار رہ ہی نہیں سکتیں۔ ایمان چلے جانے سے انسانی اقدار چھن جاتی ہیں اور اُخروی زندگی فرمایا۔

وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۔ آخرت اُن کے لئے آگ ہی آگ ہے اُس کا کیا پوچھنا اُس کا کیا تانا اوڑھنا بچھونا کھانا پینا رہنا سہنا ہر طرف آگ ہی آگ ہے۔ اور کافر ہے مکان ہے تو آگ کا ہے۔ لباس ہے تو آگ کا ہے ہوا ہے تو آگ کی ہے غذا ہے تو آگ کی ہے۔ آگ ہی اُس کا اوڑھنا ہے آگ ہی اُس کا بچھونا ہے اب اُس کا مزید کیا پوچھتے ہو کہ دنیا میں اُس سے انسانی اقدار گئیں آخرت میں دائمی زندگی میں رسوا اور ذلیل ہو گیا ہمیشہ کے لئے تو اُس سے کوئی آدمی مقابلہ یا ریس کرے کہ وہ بھی تو گزارا کر رہا ہے۔ کیا گزارا کر رہا ہے! اور یہاں ایمان تو فرمایا ایمان بڑا سادہ سا کام ہے۔ محض بات کر کے بیٹھ نہیں جاؤ کہ دعویٰ ایمان کے ساتھ تم میرا کام کرو تمہارے کام میں کرتا رہوں گا۔ سادہ سی بات ہے تم میرا کام کرو میں تمہاری مدد کروں گا تم میرے دین کی خدمت کرو تم میرے دین پر عمل کرو جس حد تک تم کر سکتے ہو اتنے تم مکلف ہو جو کام تمہاری ہمت میں ہے جس کے پاس علم ہے علم سے خدمت

۱۲ جولائی تا ۱۷ اگست

اجتماع

دار العرفان منارہ کے تربیتی پروگرام کی ایک جھلک

نماز تہجد، ذکرِ خفی، نماز فجر، درس قرآن مجید، اشراق، بیان اصلاح احوال اور مجلس ذکر، نمازِ ظہر، تلاوتِ قرآنِ مجید، صحبتِ شیخ مکرم، نماز عصر، نماز مغرب، اوابین مجلسِ ذکر خفی، نماز عشاء، آرام

دار العرفان منارہ

ضلع چکوال، پنڈی سرگودھا روڈ

براستہ چکوال

برلب سڑک چکوال اور خوشاب سے ۳۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس مرکز میں ہر سال ایک عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے جہاں شیخ سلسلہ ۴۰ دن کے لیے تشریف لاتے ہیں اور اندرون ملک اور بیرون ملک سے احباب جمع ہو کر فیض یاب ہوتے ہیں

بُلندیوں کے دیس میں

ڈاکٹر عظمت بُٹر

ستمبر ۱۹۸۹ء میں حضرت المکرم کا تاریخی دورہ شمالی علاقہ جات تھا۔ اللہ کے فضل و کرم اور بزرگوں کی دعاؤں سے مجھے بھی اس دورہ میں حضرت کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا یوں تو حضرت کا ہر دورہ ہی تاریخی ہوتا ہے لیکن یہ دورہ اس لحاظ سے اہمیت کا حامل تھا کہ ایک تو ان علاقوں میں سوائے چند خطر پسند مہم جو انسانوں کے جو اپنے ساتھ ہر قسم کا سامان لیے رکھتے ہیں، کسی اور انسان کا گزر ہی نہیں ہے مجھے یقین ہے کہ ہمارے ملک کی ۹۵ بلکہ اس سے زائد آبادی نے تو اس علاقے کے مشہور و معروف قصبہ جات اور دیہات کے نام تک نہیں سنے ہوں گے۔ حضرت کے ارشاد کے مطابق ان کا ارادہ کچھ یوں تھا کہ پشاور سے چترال براستہ لواری ٹاپ جو کہ ۱۰۵۰۰ فٹ کی بلندی پر ہے پہنچا جائے۔ وہاں سے کافرستان کی تینوں وادیوں بمبریت، رمبور اور بحریر جہاں کیلاش قوم آباد ہے جایا جائے۔ ان کے حالات دیکھے جائیں اور پھر وہاں کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے ایک بہتر لائحہ عمل بنایا جائے۔ ان وادیوں کی سڑکیں کچھ اس قدر تنگ اور دشوار گزار ہیں کہ وہاں کے مقامی ڈرائیور بھی اکثر اوقات سواریوں کو راستے میں چھوڑ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اگر آپ جیپ کا پورا موڑ کاٹ کر موڑیں تو پچھلا ٹائر آدھا سڑک کے اوپر اور آدھا ہوا میں ہوتا ہے اور نیچے خوبصورت نالوں کا شفاف پانی جھاگ اڑاتا ہوا ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈی سی لہر دوڑاتا بہتا چلا جاتا ہے کیونکہ غلطی کرنے کا موقع صرف ایک ہی ہوتا ہے دوسرے کی باری قدرت نہیں دے گی۔ ان علاقوں میں جہاں چھوٹی جیپ کے علاوہ آج تک کوئی جیپ نہیں گئی حضرت اپنی پجیرو لے کر پہنچے تو باقی سوالات تو ایک طرف پہلا سوال یہ ہوتا تھا کہ یہ گاڑی یہاں پہنچی کیسے ہے۔

چترال سے گلگت کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں شندور ٹاپ سے گزرے جس کی بلندی ۱۲۶۰۰ فٹ ہے اور اس کے دونوں جانب چترال اور گلگت کی طرف دنیا کی خوبصورت ترین وادیاں ہیں اور یہ بات تو میں یوں بھی وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اللہ کی مہربانی سے امریکہ، یورپ اور افریقہ کو خوب اچھی طرح پھر کر دیکھا ہے لیکن ان وادیوں کے حسن کا عشر عشیر بھی

کہیں نظر نہیں آیا۔ اونچے پہاڑوں کی کھلی وادیوں کے درمیان صاف شفاف سبزی مائل پانی کا اٹھکیلیاں کرنا کچھ ایسا سحر طاری کرتا تھا کہ بارہا اس کے حسن سے مسحور ہو کر گاڑی روکنا پڑی، جی بھر کر لطف اندوز ہوئے اور پھر نہ چاہتے ہوئے آگے بڑھ گئے کہ سفر لمبا اور منزل دور تھی۔ اس طرح ہم گلگت پہنچے راستے کی تنگی اور پُرخطر ہونے کا اس سے اندازہ لگائیں کہ چترال سے گلگت تک تقریباً ۲۷۵ کلومیٹر کا فاصلہ ہے اور ہم نے تین راتیں راستے میں گزار کر اور سارا سارا دن پندرہ پندرہ گھنٹے ڈرائیونگ کر کے یہ راستہ طے کیا۔ راستہ ہے ہی نہیں۔ صرف نشان ہے اس کا، اُترائی ہے تو سیدھی نیچے اور چڑھائی ہے تو سیدھی اوپر۔ ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف دریا۔ اسٹیرنگ حضرت کے ہاتھوں میں رہا۔ دیر سے چترال، چترال سے گلگت، پھر شندور ٹاپ جو کہ ۱۶۰۰۰ فٹ پر ہے، آہنی ہاتھوں کی گرفت اتنی سخت رہی کہ کیا مجال جو گاڑی ایک لحظہ کے لیے بھی ڈھیلی ہوئی یا خود سر ہوئی ہو۔ حضرت کا بلڈ شوگر لیول ۲۵۰ mg سے اوپر تھا اور نہ ختم ہونے والا سفر بحیثیت ڈاکٹر کے میں بہت فکر مند تھا لیکن حضرت کی نگاہ جہاں تک دیکھ رہی تھی وہ میری نظروں سے اوجھل تھا اور وہی لگن حضرت کو لیے جا رہی تھی۔ راستے میں گوپس ریاست جو کہ شندور ٹاپ سے گلگت تک پھیلی ہوئی ہے کے والی جو کہ راجہ اصغر کے نام سے جانے جاتے ہیں کے ہاں شام کی چائے پی۔ باتوں باتوں میں اس نے کہا کہ آپ یہاں کے لوگوں کی فلاح کے لیے بھی کچھ کریں جس طرح آپ نے چترال میں فلاحی کام شروع کر رکھا ہے۔ حضرت نے وعدہ فرمایا اور ہم واپس سوات سے ہوتے ہوئے منارہ پہنچے۔

اس سفر کی تفصیلات حضرت لکھ چکے ہیں۔ آپ تک پہنچ جائیں گی۔ حضرت نے مجھ سے کہا کہ "ڈاکٹر اس علاقہ میں طبی امداد کا پروگرام شروع کرنا ہے لہذا انشاء اللہ نومبر میں جائیں گے۔

۱۲ نومبر کو میں گھر سے منارہ کے لیے روانہ ہوا، ادھر حضرت کی طبیعت سخت ناساز تھی۔ کوئی دوا شروع کی جس سے پیٹ نرم پڑ گیا اور نقاہت بڑھ گئی۔ شوگر لیول بھی بڑھ گیا کچھ دن حضرت نے روکے رکھا کہ شاید ان کی طبیعت بہتر ہو جائے تو وہ بھی ساتھ چلیں لیکن جب صحت بالکل ہی جواب دے گئی تو مجھے ارشاد کیا کہ"

ڈاکٹر ہم نے راجہ اصغر سے وعدہ کیا ہے اس لیے تم ضرور چکر لگا آؤ۔ میں نے دوائیوں کا بندوبست کیا اور جمعہ حضرت کی معیت میں پڑھ کر عازم پنڈی ہوا۔ ہفتہ کو خرابی موسم کی وجہ سے فلائٹ نہ جا سکی اس لیے رات کو بذریعہ بس گلگت روانہ ہوا۔ دوسرے دن سہ پہر وہاں پہنچا تو میر صاحب حسب عادت ہر چیز طے کیے بیٹھے تھے۔ رات وہاں ان کی میزبانی میں گزاری اور اگلے دن صبح ۱۰ بجے کے قریب گاکوچ کی طرف روانہ ہوئے ڈرائیونگ میں خود کر رہا تھا۔ گاکوچ میں میر صاحب کے بینک کی برانچ ہے۔ وہاں کا برانچ مینجر راجہ اصغر صاحب کا داماد اور بھانجا ہے۔ راجہ شیر اسلام نام ہے اور اس نام کے ساتھ صحیح انصاف کرتا ہے۔ حضرت جیؒ کے ہاتھ پہ بیعت ہوا تھا اور اُس زمانے سے ذکر کر رہا ہے۔ اسلام کے درد سے مالا مال یہ خوبصورت نوجوان میر صاحب نے میرے ساتھ جانے کے لیے چُنا تھا۔ میں میر صاحب کے چناؤ کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس سے پروگرام پوچھا تو کہنے لگے کہ "رات کا قیام یہیں پر ہے۔ صبح روانہ ہو کر راجہ آف گوپس کے ہاں ناشتہ کرتے ہوئے آگے بائترت نالہ ہے۔ وہاں سے بائیں طرف نالے کے ساتھ جاتے ہوئے اوپر وادی کے تمام دیہات کے مریض دیکھیں گے وہاں جا کر اندازہ ہو گا کہ کتنے دن ٹھہرنا ہے وہاں سے واپسی پر راجہ شیر اسلام کے گاؤں سوبال اور پھر جج بارگو میں گاؤں چھوڑ کر کچھ میل اوپر دائیں طرف جانا ہو گا وہاں مریضوں کو دیکھ کر واپس جنڈولہ اور جج بارگو کے مریضوں کو دیکھتے ہوئے گاکوچ آرام کریں گے اور وہاں سے صبح گلگت کی طرف روانہ ہو کر یہ سفر ختم ہو گا"۔

میں بغور سارا پروگرام سنتا رہا اور ساتھ ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتا رہا جو کہ کافی لیٹ ہو چکا تھا۔ میں نے شیر اسلام سے کہا کہ کیا یہ اچھا نہ ہو گا کہ ہم رات گوپس میں راجہ صاحب کے پاس جا کر قیام کریں۔ اور وہاں سے صبح روانہ ہوں تا کہ کل کا سفر کچھ کم کر کے کچھ کام کیا جا سکے۔ اس نے سادگی سے جواب دیا "ممکن تو ہے لیکن ہم آپ کے آرام کا خیال کر رہے تھے"۔

میں نے دل میں سوچا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں کس قدر ڈھیٹ قسم کا انسان ہوں۔ لیکن زبان سے فقط اسی قدر کہا کہ نہیں میں

ٹھیک ہوں انشاء اللہ رات کا کھانا راجہ صاحب کے پاس کھائیں گے۔ وہاں سے ہم روانہ ہوئے تو گاڑی میں ہی چلا رہا تھا راستہ بہت ہی دشوار گزار تھا کافی رات گئے ہم راجہ صاحب کے پاس پہنچے تو وہ کمرہ گرم کیے کھانا تیار کر کے بیٹھے ہوئے تھے نہایت شاندار شخصیت ہیں۔ چھوٹتے ہی پوچھا۔

"پیر صاحب نہیں آئے"۔

میں حضرت کا اسلام عرض کرتے ہوئے وضاحت کی کہ میرے تاخیر سے آنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ خیال تھا حضرت کی طبیعت ذرا سنبھل جائے تو وہ بھی ساتھ تشریف لائیں لیکن جب دیکھا کہ کوئی آثار نہیں صحت بحال ہونے کے تو انہوں نے مجھے بھیجدیا کہ بہرحال وعدہ تو پورا کرنا ہے راجہ صاحب خوش تھے کہ چلو ڈاکٹر تو آگیا ہے۔ ان کے ساتھ دوبارہ پروگرام طے پایا کچھ مریضوں کا انہوں نے بتایا کہ انہیں ضرور چیک کرنا۔ رات زیادہ ہوگئی تو سب بستروں کی طرف لپکے۔ ہم راجہ کے مہمان تھے اس لیے خوب آرام سے سوتے۔ صبح تہجد کے معمول سے فارغ ہوکر فجر ادا کی ناشتہ کے بعد روانہ ہوئے تو راجہ صاحب باہر جیپ تک چھوڑنے آئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی بغیر رابنما کے مہمان خانے سے جیپ تک پہنچنا چاہے تو دو تین دفعہ ضرور بھولے۔ بہرحال سب لوگوں نے نہایت گرمجوشی سے رخصت کیا۔

شیر اسلام فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا اور میں گاڑی چلا رہا تھا۔ راستہ میں خوبصورت وادی غفر پھیلی ہوئی ہے۔ ایک جگہ پر گلیشئر نے دریا کی طرف سے گرتے ہوئے پانی کا بہاؤ روک دیا ہے جس کی وجہ سے بند سا بن گیا ہے اور پیچھے ایک وسیع جھیل بن گئی ہے ستمبر میں جب حضرت کے ساتھ ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ سکول کی لڑکیاں ٹریکٹر کے بڑے ٹائر کی ٹیوب پر کچھ لکڑی کے تختے رکھے ہوئے ایک رافٹ سی بنا کر جھیل پار کر رہی ہیں۔ اور اپنی ربڑ کی جوتیوں سے چپوؤں کا کام لے رہی ہیں۔

اس دفعہ جب جھیل سے گزرے تو لکڑی کے چپو تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ پانی اوپر سے جم جاتا ہے اور بہت ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے اب جوتیوں کے چپو استعمال کرنا ممکن نہیں رہا۔ غور سے دیکھا تو پوری جھیل پر پتلی سی برف جمی ہوئی نظر آئی۔ بے اختیار پوچھا آئندہ جب سردی زیادہ ہو جائے گی تب یہ بچیاں کیا کریں گی؟

کمال بے نیازی سے جواب دیا گیا کچھ دنوں کی بات ہے پھر برف اتنی سخت ہو جائے گی کہ یہ بھاگ کر اس پار آجائیں گی اور جنوری میں تو یہ تہہ اتنی موٹی ہو جاتی ہے کہ جیپ پورا لوڈ لے کر دوسری طرف چلی جاتی ہے۔ ہم قدرت کے یہ نظارے دیکھتے ہوئے آگے چلتے رہے باتریت نالہ پر پہنچے تو کہا گیا کہ گاڑی بائیں طرف موڑ لیں۔ دریائے گلگت کو چھوڑ کر ہم نالہ کے ساتھ جنوب مغرب کی طرف چل پڑے۔ سڑک انتہائی تنگ اور بلدار تھی دوسری طرف نالے ہیں سے گزر کر جانا پڑتا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے نالے جو دونوں اطراف سے نالہ باتریت میں گرتے تھے پلوں کے بغیر تھے۔ شروع میں تو یہ نالے آدھے برف اور آدھے پانی پہ مشتمل تھے لیکن جوں جوں بلندی پہ گئے اطراف والے نالے بالکل سخت برف کی شکل اختیار کر گئے۔ تنگ سڑک پر اس چمکتی ہوئی برف پہ گاڑی کے ٹائر پھسل پھسل جاتے تھے۔ تھوڑا آگے پہنچے تو وادی کھلنی شروع ہوگئی سامنے درہ تنگیر نظر آرہا تھا۔ اس درہ کے دوسری طرف یہی وادی شتیال کے مقام پر شاہراہ ریشم سے جا ملتی ہے۔ لیکن جہاں اس وادی کا آخری گاؤں ہے وہاں سے شتیال چار دن کا راستہ ہے ہم تقریباً ظہر کے وقت باتریت پہنچے۔ بلندی کا کسی کو صحیح اندازہ نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ تیرہ اور چودہ ہزار فٹ کے درمیان ہی ہوگی کیونکہ دوپہر کی تیز دھوپ میں بھی جو پانی زمین پر گرتا تھا اسے جمنے کے لیے نقطہ چند ہی منٹ درکار ہوتے تھے۔ سخت سردی تھی اور ہوا اتنی سرد کہ کوئی کپڑا اس کی سردی کو روکنے کے لیے کافی نہ تھا۔ جونہی ہم گاؤں میں داخل ہوئے تو دائیں طرف قبرستان میں لوگوں کو جمع دیکھا پوچھنے پہ پتہ چلا کہ گاؤں کے نمبردار جسکے ہاں ہم نے قیام کرنا تھا کی بہو فوت ہوگئی ہے۔

جب ستمبر میں حضرت مدظلہ کے ساتھ یہاں آیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں کوئی طبی امداد نہیں ملتی۔ لوگوں کو زکام ہوتا ہے اور زکام سے مر جاتے ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا زکام سے کوئی کیسے مر سکتا ہے؟

میں بحیثیت ڈاکٹر چپ رہا لیکن میرے ذہن میں سوال

کھٹکتا رہا کہ بھلا زکام سے کوئی کیسے مر سکتا ہے۔ جب نمبردار کے گھر پہنچے تو پتہ چلا کہ نماز ظہر کے بعد نماز جنازہ ہے ہیں نے گاؤں میں اعلان کروا دیا کہ اگر کوئی مریض ہے تو ظہر تک میرے پاس آجائے۔ باقی بچ جانیوالے مریضوں کو نماز جنازہ سے فارغ ہو کر دیکھیں گے۔ ادھر بیٹھے ہوئے میں نے شیر اسلام سے پوچھا کہ کیا نمبردار کی بہو بیمار تھی؟

کہنے لگا کچھ دن پہلے زکام ہوا، بگڑ کر چھاتی جم گئی اور بخار ہو گیا کل رات دم توڑ گئی۔ میرے پورے بدن کو جھرجھری سی آگئی۔ لوگ زکام سے مر جاتے ہیں؟ اس دور میں بھی ایسے علاقے ہیں جہاں زکام کے علاج کے لیے دو گولی اسپرین بھی میسر نہیں مریض بہت زیادہ تھے۔ دیکھتے دیکھتے نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد سیدھے قبرستان گئے۔ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر پھر مریض دیکھنا شروع کیے تو ایک شخص نے کہا کہ اس کا چچا بہت بیمار ہے وہ یہاں تک نہیں آسکتا۔ میں نے ساتھ جانے کی حامی بھر لی۔ یہ دیکھ کر دوسرا بولا کہ اس کی بیوی سخت بیمار ہے وہ بھی یہاں تک نہیں آسکتی تو میں نے کہا کہ جو جو مریض زیادہ بیمار اور یہاں تک نہیں آسکتا میں اُسے اس کے گھر جا کر دیکھ لوں گا۔ غرض مغرب کی نماز تک ایک گھر سے دوسرے گھر اور دوسرے سے تیسرے گھر جاتا رہا۔ زیادہ تر مریض نمونیہ میں مبتلا تھے۔ سخت بخار، کھانسی اور تکلیف میں تھے کچھ ایک موت ہو جانے کی وجہ سے گھبرائے ہوئے بھی تھے یہاں کے لوگ سخت سردی اور شدید موسم کے باوجود دیندار ہیں۔ پانچوں وقت مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے والوں کی کمی نہیں پاؤں میں جوتا پہننے کا تصور گاؤں کی حد تک ہے۔ جو باہر بکریوں کے ساتھ جاتے ہیں انہوں نے جانوروں کی کھال پیروں پر لپیٹی ہوتی ہے اور کھال کے اوپر چمڑے کی رسی بنا کر اسے باندھ لیا جاتا ہے۔ چمڑے ہی کا فرسودہ سا لباس پہنا جاتا ہے کئی گھروں میں انسانوں کے بدن پر چیتھڑوں کے سوا کچھ نہ دیکھا بچوں نے فقط ایک قمیض پہن رکھی تھی سر اور پاؤں سے ننگے یہ بچے برف پر بھاگ دوڑ رہے تھے۔ دل میں خیال آیا یا اللہ یہ تیرے ہی بندے ہیں۔ مسلمان ہیں، غازی ہیں تیری رضا پہ شاکر بھی ہیں پھر ان کو ان حالات میں رکھا ہوا ہے؟

تو چڑھنا ہی تھی۔ ساتھیوں سے کہا کہ وہ جیپ لے کر پیچھے ایک پل تھا اس پر پہنچیں میں اوپر سے مریض دیکھتا ہوا وہاں پہنچتا ہوں یہ پروگرام طے کر کے سب لوگوں کو اس میدان میں بٹھایا طریقہ ذکر سمجھایا اور ذکر کیا۔ بہت لطف آیا حضرت کی توجہ ہر آن ساتھ تھی ہم تو صرف اس کو بانٹ رہے تھے۔ لوگوں نے ذکر کرنے کا وعدہ کیا اور میں اوپر کی طرف روانہ ہوا۔ چڑھائی چڑھنے کا ایک فائدہ ہوا کہ سردی جاتی رہی۔ اوپر ایک ایک دو دو گھر تھے ان کی حالت کے بارے کیا لکھوں؟

دنیا میں بہت تہذیبیں دیکھی ہیں۔ امریکہ میں جنگل بھی دیکھے ہیں لیکن اللہ کے رحم و کرم پہ جتنے یہ لوگ دیکھے کہیں نہ دیکھے تھے گرمیوں میں یہ ریوڑ لے کر پہاڑوں پر چراتے رہتے ہیں اور سردیوں میں ۱۰ × ۱۰ فٹ کے ایک کمرے میں چھ ماہ تک کے لیے دبکے رہتے ہیں اور اللہ کے ظاہر میں بھی قریب ہیں اور باطن میں بھی میرے جانے کا شکریہ یا اللہ سے کہتے یا پھر جب راجہ شیر اسلام نے بتایا کہ مجھے حضرت نے بھیجا ہے تو حضرت کی ذات کو کروڑوں دعائیں دیتے غرض ان ہی سوچوں میں غرق (جن میں سے بیشتر ابھی تک ذہن ہی میں ہیں) آہستہ آہستہ اونچے نیچے راستہ پر چلتا ہوا پیچھے پل تک پہنچا۔ جہاں شیر اسلام وغیرہ میرا انتظار کر رہے تھے۔ جیپ میں بیٹھے اور واپس باتریت گاؤں پہنچے تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ نماز اور ذکر سے فارغ ہوئے تو شدید بیمار مریضوں کا ان کے گھروں میں جا کر پھر معائنہ کیا۔ اللہ کا شکر ہے سب کی حالت بہتری کی طرف مائل تھی زندگی موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن ایک مریض کو بہتری کی طرف واپس آتے ہوئے دیکھ کر جو خوشی اس دور دراز گاؤں میں محسوس ہوئی کسی بڑے سے بڑے ہسپتال میں بھی نہ ہو سکی جب اہل خانہ کو بتایا کہ الحمدللہ اب حالت بہتر ہے تو ان کی زبان پہ دعاؤں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ رات گھر میں قیام کیا۔ صبح نمبردار صاحب کے ہمراہ ذکر کیا اور چند ایک مریضوں کو دیکھتے ہوئے واپس روانہ ہوئے۔ راستہ میں جتنے گاؤں تھے کچھ دیر ہر گاؤں میں ٹھہر کر مریض دیکھتے ہوئے واپس گوپس شام کے قریب پہنچے۔ چائے کے ساتھ پکوڑے اور آلو کے چپس تھے۔ خوب پیٹ بھر کر کھائے۔ اس کے بعد راجہ صاحب بولے کچھ مریض یہاں بھی ہیں۔ مریض دیکھتے ہوئے عشاء کا وقت ہو گیا۔ رات گئے تک وہاں کے لوگوں کے رواج اور رہن

پھر خیال آیا کچھ فرض ہمارا بھی تو ہے، حکومت کا بھی تو ہے۔ لیکن یہ ساری باتیں ذہن میں گھومتی رہیں اور ہاتھ دوائیوں والے ڈبے میں جا جا کر دوائیاں گن گن کر نکالتا رہا۔ ایک گھر گیا تو اس شخص کی بیوی اور بڑی بیٹی دونوں شدید بیمار تھیں۔ دوائیاں دیکر باہر نکلا تو وہ پوچھنے لگا۔

"ڈاکٹر صاحب میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں انہیں دنوں پہ گھر کا دارومدار ہے یہ بچ تو جائیں گے؟" میں نے کہا

ہاں اللہ نے چاہا تو بچ جائیں گے۔ وہاں سے نمبردار کا گھر کافی دور تھا اور شام ہو چکی تھی۔ سخت سردی تھی۔ یخ ہوا چہرے سے ٹکرا رہی تھی لیکن سردی کا احساس ختم ہو چکا تھا۔ ہر بات آہستہ آہستہ عیاں ہو رہی تھی

شیخ المکرم کی بے تابی، یہاں پہنچنے کے لیے جلدی اور ان کا ان دور دراز علاقوں کا سفر جہاں تک شیخ کی نظر پہنچتی ہے وہی جانتا ہے ہم نے جانا بھی تو صرف اتنا ہی جتنا دیکھ چکے ابھی آگے اور کیا ہے؟ یہ ہم سے آج بھی اوجھل ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اب مزہ دینے لگی چلتے چلتے قدم مسجد کی طرف ہو گئے مسجد میں داخل ہوا تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ نماز ادا کی۔ جتنے لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان سے ضرورت ذکر پر بات ہوئی اور بعد میں ذکر ہوا۔ ان لوگوں نے ذکر یوں کیا جیسے ہمیشہ سے کرتے چلے آ رہے ہوں۔ رات نمبردار کے ہاں قیام کرنے کے بعد صبح تہجد کے لیے باہر وضو کیا تو پانی داڑھی میں جم گیا حتیٰ کہ ہاتھوں کی انگلیوں پر برف جم گئی۔ اندر آ کر کچھ دیر ذکر کیا تو سردی دور ہوئی ناشتے کے بعد مریض دیکھتے رہے۔ پروگرام یہ تھا کہ بارہ بجے دوپہر یہاں سے آخری گاؤں کے لیے روانہ ہوں گے۔ جہاں تک جیپ جاتی ہے جیپ پر جائیں گے اور آگے نالے کے پار پیدل ہو لیں گے۔ وہاں صبح ہی پیغام بھیجا گیا تھا۔ یہاں میدان میں مریض دیکھنا پڑے۔ جب سایہ آگیا تو ڈبوں میں سے دوائیاں نکالنا مشکل ہو گیا کہ انگلیاں سردی سے ٹھٹھر گئیں جبکہ ابھی دوپہر تین بجے کا وقت تھا حسب معمول زیادہ بیمار مریضوں کو دیکھنے ان کے گھروں میں گیا۔ ایک شخص بولا کہ اس کا گھر پہاڑ پر ہے اور اس کا بھائی بہت بیمار ہے اگر ہو سکے تو اوپر جا کر دیکھ آؤں۔ عمودی چڑھائی تھی اور گھر کافی دور مگر اب اتنی دور آنے کے بعد یہ چڑھائی سہن پر بات ہوتی رہی۔ مختصراً یہ کہ گولپس سے آگے زیادہ تر آبادی اسماعیلیوں کی ہے جو کریم آغا خان کو مانتے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سے بے نیاز ہیں۔ کیونکہ کریم آغا خان نے ان کو ان چیزوں سے آزاد کر دیا ہے۔ ہر چیز کا انحصار روپے پیسے پر ہے۔ حتیٰ کہ جنت میں قرب الٰہی بھی جو جتنے پیسے کریم آغا خان کو دے گا اس حساب سے ملے گا۔ حیرت ہے کہ ایسے شخص کو مسلمان ریاست سرکاری مہمان بناتی ہے اور پھر اس کو ہر طرح کی گرانٹ بھی ملتی ہے۔ دوسری طرف یہ شخص دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک سے چندہ اکٹھا کر کے اس کا کچھ فیصد حصہ ان لوگوں پر صرف کر کے ان کا مذہبی پیشوا بنا ہوا ہے اور اس چندہ کی باقی رقم اپنی عیاشیوں پر خرچ کر دیتا ہے۔ اس نے صرف جو پروگرام اس علاقے میں شروع کر رکھے ہیں ان پر جو تنخواہ دار طبقے، گاڑیوں اور ہیلی کاپٹروں کا خرچہ ہے وہی تقریباً پانچ چھ کروڑ سالانہ ہے جس کا کچھ بھی وہاں کے لوگوں کو نہیں ملتا۔ ایک اندازے کے مطابق اگر وہ پیسہ جو یہ باہر کی دنیا کو دکھلانے کے لیے استعمال کر رہا ہے ان لوگوں پر خرچ کر دے تو یہ لوگ چند ہی سالوں میں خوشحال ترین لوگ شمار کیے جانے لگیں لیکن یہ تو اس کا بزنس ہے۔

ایک مریض کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے پشاور یا پنڈی لے جایا جاتا ہے۔ اس کی فلم بنتی ہے اور پھر باہر کے ملکوں میں وہ فلم دکھلا کر ان سے انسانیت کی فلاح کے لیے پیسے لیے جاتے ہیں اور اس کے بعد پھر ان لوگوں کو قدرت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کیونکہ بالتریت نالہ میں پہلا گاؤں سیکی سارے کا سارا اسماعیلیوں کا ہے اور واپسی پر جب وہاں رک کر ان کے مریضوں کو دیکھا تو باقی علاقے سے ان کے حالات مختلف نہ تھے۔ وہی بیماریاں اور وہی طبی سہولتوں کا فقدان۔ میں نے ان سے بھی وعدہ کیا کہ آئندہ جب کبھی بھی آؤں گا تو آپ لوگوں کے مریضوں کو بھی ضرور دیکھوں گا۔ اس پر انہوں نے بہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر ممکن ہو تو ایک دو دن پہلے اطلاع بھجوا دیں تاکہ ہم سارے مریضوں کو اکٹھا کر لیں۔ یہاں مجھے کسی کے خلاف کچھ کہنا مقصود نہیں۔

انسانیت کے ناطے سے دکھ ہوتا ہے کہ جن کی ہمدردی کا پراپیگنڈہ کر کے دنیا سے کھاتے ہو ان کو انسانوں کی طرح زندہ تو رکھو۔ خیر اسی طرح کی باتوں پہ سوچتے ہوئے اور باتیں کرتے ہوتے سب لوگوں نے اجازت لی اور میں بھی آئندہ کے لیے پروگرام ترتیب دیتا ہوا سو گیا۔

اگلی صبح جمعہ ۲۹ دسمبر کو گوپس سے روانہ ہوئے تو راجہ صاحب بالکل اسی انداز سے رخصت کر رہے تھے۔ جیسے گھر کے کسی فرد کو رخصت کرتے ہیں۔ ان کی شفقت کی یاد ساتھ لیے واپس بج بارگو پہنچے وہاں پہ ایک کرسی نما سیٹ پر بیٹھ کر لوہے کی تار سے بندھی ہوئی چرخی کو پکڑے ہوئے جو کہ سردی کی شدت سے ہاتھوں میں گھسی جا رہی تھی (لیکن اس کو مضبوطی سے پکڑنا تو تھا ہی کیونکہ چھوڑنے کی صورت میں نیچے اس سے بھی زیادہ ٹھنڈا پانی دریائے گلگت کی صورت میں بہہ رہا تھا)۔

دریا عبور کرنے کے بعد تھوڑی دیر رکنے کا پروگرام تھا لیکن جب آگے سفر کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ اگر نالے میں سے جائیں تو دو گھنٹے اور اگر پہاڑ پر سے جائیں تو کم از کم تین گھنٹے کا چڑھائی کا سفر ہے۔ میں اور شیر اسلام آگے آگے پہاڑ پر چڑھنے لگے ساتھی پیچھے پیچھے دوائیاں اور سامان لے کر آ رہے تھے۔ ہم پہاڑ پر چڑھتے ہی چلے گئے بالکل سیدھی چڑھائی تھی۔ اس لیے جلد ہی سانس پھول گیا۔ تنگ سا درہ تھا۔ جس میں سے نالہ بہہ رہا تھا اور باقی ساتھی نالے کے ساتھ ساتھ نیچے آ رہے تھے کہ اگر نالے پہ پل بن چکے ہوئے تو پھر وہ ہمیں آواز دیکر بلا لیں گے بصورت دیگر وہ بھی آگے جا کر اوپر ہم سے آملیں گے اور وہاں چونکہ چڑھائی بہت ہی سخت تھی اس لیے انہوں نے مجھے شروع ہی میں پہاڑ پہ بھیج دیا کہ اوپر اوپر سے چلتا رہوں جب ہم کچھ آگے بڑھے تو انہوں نے آواز دی کہ نیچے راستہ ٹھیک ہے اس لیے ہم بھی نیچے اترنے لگے۔ اگر چڑھائی مشکل تھی تو نیچے اترنا اس سے بھی تکلیف دہ تھا۔ کیونکہ چھوٹی چھوٹی بجری تھی اور بار بار پاؤں پھسل جاتا تھا جوں توں کر کے نیچے اترے۔ نالے میں چلنا نسبتاً آسان تھا اس لیے کچھ تیزی سے چلنے لگے۔ راستے میں نالے نے ایک دو جگہ بالکل راہ ختم کر دی تھی لہذا ایک طرف سے چٹانوں پر سے کوہ پیماؤں کی طرح چمٹے ہوئے ان کو عبور کیا۔ کئی جگہ تو راستہ تھا ہی نہیں۔ خدا خدا کر کے کوئی ظہر کے قریب گاؤں کے پاس پہنچے تو جیسے فطرت کا حسن بکھرا پڑا تھا۔ تین گھنٹے تنگ درے میں گزارنے کے بعد جب آگے میلوں کے حساب سے وادی کھل گئی اور دور دور تک پہاڑوں کی چوٹیاں اور ان کی ڈھلانیں نظر آنے لگیں تو میں نے سوچا یہ دم لینے کے لیے بہترین جگہ ہے یہاں قدرت کا نظارہ ہی اور تھا ساتھ میں شیر اسلام کی کمنٹری کہ پچھلے سال اس جگہ مارخور مارا اس سے پچھلے سال وہ سامنے ڈھلان پر دو مارخور مارے وغیرہ وغیرہ باتیں سن سن کر ہم بھی دوربین سے ہر سمت دیکھتے رہے لیکن ہمیں کچھ نظر نہ آیا۔ ان کے کہنے کے مطابق ایک ماہ بعد جب ہر طرف برف پڑ چکی ہو گی تو اس وقت مارخور نیچے آ جائیں گے اور مارچ کا مہینہ ان کے شکار کے لیے بہترین ہے تھوڑی دیر دم لینے کے بعد ہم آگے چلے۔ سامنے گاؤں تھا اور کافی پھیلا ہوا تھا اور علاقے کی نسبت قدرے بڑا تھا۔ دور دور تک گھر ہی گھر نظر آ رہے تھے ایک پکی مسجد بھی دکھائی دے رہی تھی ہم سیدھے گاؤں کے چنے گئے ممبر کے مہمان خانہ پر پہنچے اور جیسے ہی دوائیاں دینے کا اعلان کیا مریض اکٹھے ہونا شروع ہو گئے شام تک مریض دیکھتے رہے اس کے بعد حسب معمول لوگ اکٹھے ہوئے ان کو طریقۂ ذکر بتلایا اور ذکر کیا۔ عشاء کی نماز کے بعد بیٹھنے کی ہمت نہ تھی۔ بستر پہ لیٹا تو لیٹتے ہی سو گیا صبح تہجد کے لیے اٹھا تو باتریت والی سردی نہ تھی اور یہ شاید اس لیے تھا کہ یہاں کی اونچائی کم تھی اور ہوا بھی نہیں تھی ذکر اور نماز فجر سے فارغ ہو کر عجیب چیز دیکھنے میں آئی کہ جو آدمی بھی آ رہا تھا تمام مہمانوں کے لیے ناشتہ بنا کر لا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں کافی سارے ناشتے اکٹھے ہو گئے ہم نے تو خیر کیا کھانا تھا لیکن ان کی میزبانی اور خلوص دیکھ کر یاد رفتہ لوٹ آئی جب ایک مسلمان تمام مسلمان گاؤں کا مہمان ہوا کرتا تھا یہاں بھی آج جس کے گھر میں جو کچھ تھا حاضر تھا کہیں پراٹھے اور مکھن، کہیں مکئی کی روٹی اور انڈے، کہیں ابلے ہوئے انڈے اور ابلے ہوئے آلو غرض ناشتے ختم ہوئے تو ان کے ساتھ آئندہ کے پروگرام ترتیب دیئے۔ بے شمار مریض اکٹھے ہو گئے انہیں دیکھنے کے بعد واپسی

کے لیے روانہ ہوئے۔ ظہر تک واپس پہنچے وہاں کچھ دیر مریض دیکھنے کے بعد نج بارگو روانہ ہوئے جہاں شیر اسلام کا گھرانہ رہتا ہے۔ عصر کے بعد اُن کے گھر کے مریض دیکھے ان کی میزبانی سے لطف اندوز ہو کر مغرب کے قریب گاکوچ کے لیے روانہ ہوئے۔ رات کا کھانا گاکوچ میں کھایا۔ شیر اسلام صاحب کو وہاں چھوڑا اور اُن کا خوبصورت چہرہ نظروں میں بسائے کافی رات گئے گلگت کے لیے روانہ ہوئے۔ رات گیارہ بجے گلگت پہنچے تو میر صاحب کا مسکراتا چہرہ سامنے تھا چائے کا گرم گرم کپ زبردستی پلا کر اس خبر کے ساتھ کہ صبح پہلی فلائیٹ کے ساتھ سیٹ بک ہے وہ چلے گئے میں بھی سو گیا۔ صبح موسم بالکل صاف تھا جیسا کہ اس پورے دورے میں رہا۔

جہاز اپنے وقت پر ہوا میں تیر رہا تھا میں جہاز کی دائیں طرف کی کھڑکی کے ساتھ لگا ہوا وادی تنگیر کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا جس کے دوسری طرف وادئ باتریت تھی۔ چوٹیوں کا لامتناہی سلسلہ تھا اور سب کی سب برف سے ڈھکی ہوئیں۔ اب دسمبر کا مہینہ ہے اور اکثر و بیشتر وادیاں بھی برف کا کمبل اوڑھے گہری نیند سو چکی ہیں۔ میں سوچ رہا تھا۔ اَب ان کی نیند اپریل مئی میں ٹوٹے گی اور جب یہ حسین وادیاں انگڑائی لے کر اٹھیں گی تو ان کا حسن دیکھنے والے پھر اکٹھے ہوں گے لیکن ان پانچ مہینوں میں یہاں کے باسی ہر مصیبت پر صرف اور صرف آسمان کی طرف دیکھیں گے یہ لوگ کافی بلندی پر رہتے ہیں اور ایک بوڑھے کا جملہ مجھے یاد آ رہا ہے ہم اللہ کے نزدیک رہتے ہیں اس لیے صرف اللہ ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جس حال میں رکھے خوش رہتے ہیں۔

جہاز آہستہ آہستہ برف کی سفیدی پر سے ہوتا ہوا اسلام آباد کی طرف رواں دواں تھا۔ جہاں جہاں میں رہا وہاں دنیا کی کوئی بھی سہولت نام کو نہیں لیکن وہاں دنیا کی کوئی خرافات بھی نام کو نہیں۔ نہ جھوٹ، نہ تکبر، نہ گلہ، نہ شکوہ، نہ چوری، نہ بے حیائی، نہ قتل، نہ سیاست، ان کے کردار ان وادیوں پر جمی برف کی مانند بالکل بے داغ اور خوبصورت" ان کے دل ان کے چہروں سے زیادہ حسین اور چہروں کی خوبصورتی دنیا میں یکتا۔

اب جہاز راولپنڈی کے ہوائی اڈے پر چکر لگا رہا تھا۔ نیچے اسلام آباد کی جدید سہولتیں اور ان کے ساتھ خوبصورت عمارتیں واضح سے واضح تر ہوتی چلی جا رہی تھیں یہ یونیورسٹی کیمپس، یہ پارلیمنٹ ہاؤس، یہ صدارتی محل، یہ سیکرٹریٹ کی بلڈنگ، اور دور ایک طرف شاہ فیصل مسجد کا پرشکوہ منظر فطرت کا حسن تو ہر جگہ بکھرا پڑا ہے اگر برف دل کو لبھاتی ہے تو سبزہ بھی آنکھوں کو تراوٹ پہنچاتا ہے لیکن شاید یہ خوبصورتی یہاں کے لوگوں کے دلوں تک پہنچ نہیں پاتی یا شاید یہ اندھے ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں کے کردار آخر اتنے گھناؤنے کیوں ہو گئے ہیں؟ کہ انسان گلگت کی ویران وادیوں میں تو خود کو محفوظ سمجھتا ہے اور آبادیوں میں راتوں کو اپنے جیسے انسان اس کی نیند اچاٹ کیے ہوئے ہیں۔ کہیں یہ سہولتیں ہم سے انسانیت تو نہیں چھین رہیں!

کہیں دولت کی یہ ہوس ہمیں درندگی تو نہیں دے رہی۔ ان حالات میں کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اُن لوگوں کے حق میں جہاں سے میں آیا ہوں یہ سہولتیں نہ پہنچنا ہی بہتر ہے؟ نہیں سہولتوں کا کیا قصور؟

یہ تو اللہ کی نعمتیں ہیں جن سے فائدہ اٹھانا انسان کے حق میں ہے۔ شاید کچھ درندہ صفت انسان دوسروں کا سکون لوٹ رہے ہیں۔ ان ہی خیالات میں الجھا ہوا ذہن جب واپس پلٹا تو جہاز لینڈ کر چکا تھا اور مسافر ایک ایک کر کے جہاز سے اتر رہے تھے اور میری نظروں میں اس معصوم لڑکی کا چہرہ رقص کر رہا تھا جسے میں نے باتریت سے واپسی پر ننگے پاؤں برف سے جمے ہوئے نالے کے ایک سوراخ سے لوہے کے برتن کے ساتھ پانی نکال نکال کر بڑے برتن میں بھرتے دیکھا تھا وہ کتنی معصومیت سے مجھے دیکھ رہی تھی اور میرے ہاتھ جیب کے اندر پورے کپڑوں کے باوجود اسٹیرنگ پر ٹھٹھر رہے تھے۔

مدینہ کی راہ میں

ن۔ چوہدری

یہ مضمون رابطۂ اسلامی مکہ مکرمہ کے زیر اہتمام منعقدہ سیرت نگاری کے عالمی مقابلہ میں اوّل آنے والی کتاب "الرحیق المختوم" سے لیا گیا ہے۔ جس کے مصنف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ہیں۔

رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۷ صفر ۱۴ نبوت مطابق ۱۲۔ ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء کی درمیانی رات اپنے مکان سے نکل کر اپنے سب سے قابل اعتماد ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں پچھواڑے کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے باہر کی راہ لی تھی۔ تاکہ مکہ مکرمہ سے جلد از جلد یعنی طلوعِ فجر سے پہلے پہلے باہر نکل جائیں۔

چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ قریش پوری جانفشانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں لگ جائیں گے اور جس راستے پر اول نظر اٹھے گی۔ وہ مدینہ کا کاروانی راستہ ہوگا۔ جو شمال کے رُخ پر جاتا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ راستہ اختیار کیا۔ جو اس کے بالکل اُلٹ تھا۔ یعنی یمن جانے والا راستہ جو مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس راستے پر کوئی پانچ میل کا فاصلہ طے کیا۔ اور اس پہاڑ کے دامن میں پہنچے جو ثور کے نام سے معروف ہے۔ یہ نہایت بلند پُر پیچ اور مشکل چڑھائی والا پہاڑ ہے۔ یہاں پتھر بھی بکثرت ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نشان قدم چھپانے کے لئے پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں زخمی ہوگئے۔ بہر حال وجہ جو بھی رہی ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھالیا۔ اور دوڑتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار کے پاس جا پہنچے جو تاریخ میں غارِ ثور کے نام سے معروف ہے۔

غار کے پاس پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خدا کے لئے ابھی آپؐ اس میں داخل نہ ہوں۔ پہلے میں داخل ہو کر دیکھے لیتا ہوں اگر اس میں کوئی چیز ہوئی تو آپؐ کے بجائے مجھے اس سے سابقہ پیش آئے گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر گئے اور غار کو صاف کیا۔ ایک جانب سوراخ تھے۔ انہیں اپنا تہبند پھاڑ کر بند کیا۔ لیکن دو سوراخ باقی بچ رہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں میں اپنے پاؤں ڈال دیئے۔ پھر

رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم سے عرض کی۔ کہ اندر تشریف لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے۔ ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں کسی چیز نے ڈس لیا۔ مگر اس ڈر سے ہلے بھی نہیں۔ کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگ نہ جائیں۔ لیکن ان کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم کے چہرے پر ٹپک گئے اور آپ صلی اللہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکرؓ! تمہیں کیا ہوا؟ عرض کی۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر لعاب دہن لگایا اور تکلیف جاتی رہی (روایت میں ہے کہ پھر یہ زہر پھوٹ پڑا۔ یعنی موت کے وقت اس کا اثر پلٹ آیا اور یہی موت کا سبب بنا)

یہاں دونوں حضرات نے تین راتیں یعنی جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی راتیں غار میں چھپ کر گذاریں اس دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بھی یہیں رات گذارتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ وہ گہری سوجھ بوجھ کے مالک، سخن فہم نوجوان تھے۔ سحر کی تاریکی میں ان دونوں حضرات کے پاس سے چلے جاتے۔ اور مکہ میں قریش کے ساتھ یوں صبح کرتے گویا انہوں نے یہیں رات گذاری ہے۔ سازش کی کوئی بات سنتے۔ اُسے اچھی طرح یاد کر لیتے۔ اور جب تاریکی گہری ہو جاتی۔ تو اس کی خبر لے کر غار میں پہنچ جاتے۔

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام عامر بن فُہیرہؓ بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گذر جاتا۔ تو بکریاں لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے۔ اس طرح دونوں حضرات رات کو آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے۔ پھر صبح تڑکے ہی عامر بن فہیرہ بکریاں ہانک کر چل دیتے۔ تینوں رات انہوں نے یہی کیا۔ عامر بن فہیرہ، حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے مکہ جانے کے بعد انہیں کے نشانِ قدم پر بکریاں ہانکتے تھے۔ تاکہ قدموں کے نشانات مٹ جائیں۔

اُدھر قریش کا یہ حال تھا کہ جب منصوبۂ قتل کی رات گذر گئی۔ اور صبح کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں۔ تو ان پر گویا جنون طاری ہو گیا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنا غصہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اُتارا۔ آپؓ کو گھسیٹ کر خانہ کعبہ لے گئے اور ایک گھڑی زیرِ حراست رکھا کہ ممکن ہے۔ ان دونوں کی خبر لگ جائے۔ لیکن حضرت علی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ حاصل نہ ہُوا۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ باہر آئیں ان سے پوچھا۔ تمہارے ابا کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا۔ بخدا مجھے معلوم نہیں۔ کہ میرے ابا کہاں ہیں۔ اس پر کمبخت خبیث ابوجہل نے ہاتھ اٹھا کر اُن کے رخسار پر اس زور کا تھپڑ مارا۔ کہ ان کے کان کی بالی گر گئی۔

اس کے بعد قریش نے ایک ہنگامی اجلاس کر کے یہ طے کیا۔ کہ دونوں کو گرفتار کرنے کے لئے تمام ممکنہ وسائل کام میں لائے جائیں۔ چنانچہ مکے سے نکلنے والے تمام راستوں پر خواہ وہ کسی بھی سمت جا رہا ہو۔ نہایت کڑا مسلح پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اس طرح یہ اعلانِ عام بھی کیا گیا کہ جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو یا ان میں سے کسی ایک کو زندہ یا مُردہ حاضر کرے گا۔ اسے ہر ایک کے بدلے سو اونٹوں کا گرانقدر انعام دیا جائیگا۔ اس اعلان کے نتیجے میں سوار، پیادے اور نشاناتِ قدم کے ماہر کھوجی نہایت سرگرمی سے تلاش میں لگ گئے اور پہاڑوں، وادیوں اور نشیب و فراز میں ہر طرف بکھر گئے لیکن نتیجہ اور حاصل کچھ نہ رہا۔

تلاش کرنے والے غار کے دہانے تک بھی پہنچے۔ لیکن اللہ اپنے کام پر غالب ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غار میں تھا۔ سر اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے پاؤں نظر آ رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ اے اللہ کے نبیؐ! اگر ان میں سے کوئی شخص محض اپنی نگاہ نیچی کر دے تو ہمیں دیکھ لے گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکرؓ! خاموش رہو۔ ہم دو ہیں جن کا تیسرا اللہ ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ مَا ظَنُّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا "ابوبکرؓ ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے" یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا

اضطراب اپنی جان کے خوف سے نہ تھا۔ بلکہ اس کا واحد سبب وہی تھا جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قیافہ شناسوں کو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کا غم فزوں تر ہوگیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ کہ اگر میں مارا گیا تو محض ایک آدمی ہوں لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ تو پوری اُمت ہی غارت ہو جائے گی۔ اور اسی طرح موقع پر آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ غم نہ کرو۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔)

(حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک معجزہ تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرف فرمایا۔ چنانچہ تلاش کرنے والے اس وقت واپس پلٹ گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے درمیان چند قدم سے زیادہ فاصلہ باقی نہ رہ گیا تھا۔)

جب جستجو کی آگ بجھ گئی۔ تلاش کی تگ و دو رک گئی اور تین روز کی مسلسل اور بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد قریش کے جوش و جذبات سرد پڑ گئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار سے نکلنے کا عزم فرمایا۔ عبداللہ بن اریقط لیثی سے، جو صحرائی اور بیابانی راستوں کا ماہر تھا۔ پہلے ہی اُجرت پر مدینہ پہنچانے کا معاملہ طے ہو چکا تھا۔ یہ شخص ابھی قریش کے دین پر تھا۔ لیکن قابل اعتماد تھا۔ اس لئے سواریاں اس کے حوالے کر دی گئیں اور طے ہوا تھا۔ کہ تین راتیں گزر جانے کے بعد وہ دونوں سواریاں لے کر غار ثور پہنچ جائے گا۔ چنانچہ جب دوشنبہ کی رات آئی۔ جو ربیع الاول سنہ ۱ھ کی چاند رات تھی (مطابق ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) تو عبداللہ بن اریقط سواریاں لے کر آگیا۔ اور اسی موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں افضل ترین اونٹنی پیش کرتے ہوئے گذارش کی۔ کہ آپ میری ان دو سواریوں میں سے ایک قبول فرمالیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیمتاً

ادھر اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی زاد سفر لے کر آئیں۔ مگر اس میں لٹکانے والا بندھن لگانا بھول گئیں۔ جب روانگی کا وقت آیا۔ اور حضرت اسماء نے توشہ لٹکانا چاہا تو دیکھا۔ کہ اس میں بندھن ہی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا کمر بند کھولا۔ اور دو حصوں میں چاک کر کے ایک میں توشہ لٹکا دیا۔ اور دوسرا کمر میں باندھ لیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب ذات النطاقین پڑ گیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوچ فرمایا۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے۔ دلیل راہ عبداللہ بن اریقط نے ساحل کا راستہ اختیار کیا۔

غار سے روانہ ہو کر اس نے سب سے پہلے یمن کے رخ پہ چلایا۔ اور جنوب کی سمت خوب دُور تک لے گیا۔ پھر پچھم کی طرف مُڑا۔ اور ساحل سمندر کا رخ کیا۔ پھر ایک ایسے راستے پر پہنچ کر جس سے عام لوگ واقف نہ تھے۔ شمال کی طرف مُڑ گیا یہ راستہ بحر احمر کے قریب ہی تھا۔ اور اس پر شاذو نادر ہی کوئی چلتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس راستے میں جن مقامات سے گزرے۔ ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب راہنما آپ دونوں کو ساتھ لے کر نکلا۔ تو زیریں مکہ سے لے چلا پھر ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہُوا زیریں عسفان سے راستہ کاٹا پھر زیریں امج سے گذرتا ہُوا آگے بڑھا۔ اور قدید پار کرنے کے بعد پھر راستہ کاٹا۔ اور وہیں سے آگے بڑھتا ہُوا خرار سے گذرا۔ پھر ثنیۃ المرۃ سے، پھر لقف سے، پھر بیابان لقف سے گذرا۔ پھر مجاج کے بیابان میں پہنچا۔ اور وہاں سے پھر مجاج کے موڑ سے گذرا۔ پھر ذا الغضوین کے موڑ سے نشیب میں چلا۔ پھر ذی کشر کی وادی میں داخل ہُوا۔ پھر جداجد کا رخ کیا۔ پھر اجیرد پہنچا۔ اور اس کے بعد بیابان تعہن کے اطراف کی وادی ذوسلم سے گذرا۔ وہاں عبابید اور اس کے بعد فاجہ کا رخ کیا پھر عرج میں اترا۔ پھر رکوبہ کے داہنے ہاتھ ثنیۃ العائر میں چلا۔ یہاں تک کہ وادی رئم میں اترا۔ اور اس کے بعد قباء پہنچ گیا۔

آیئے! اب راستے کے چند واقعات بھی سنتے چلیں۔

۱:۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ ہم لوگ غار سے نکل کر رات بھر اور دن بھر اور دن میں دوپہر تک چلتے رہے۔ جب ٹھیک دوپہر کا وقت ہوگیا۔ راستہ خالی ہوگیا۔ اور کوئی گذرنے والا نہ رہا۔ تو ہمیں ایک لمبی چٹان دکھائی پڑی۔ جس کے سائے پر دھوپ نہیں آئی تھی۔ ہم وہیں اُتر پڑے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے کے لئے ایک جگہ برابر کی۔ اور اس پر ایک

پوستین بچھا کر گزارش کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ سو جائیں اور میں آپؐ کے گرد و پیش کی دیکھ بھال کئے لیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور میں آپؐ کے گرد و پیش کی دیکھ بھال کے لئے نکلا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں لئے چٹان کی جانب چلا آ رہا ہے۔ وہ بھی اس چٹان سے وہی چاہتا ہے جو ہم نے چاہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا۔ اے نوجوان تم کس کے آدمی ہو؟ اس نے مکہ یا مدینہ کے کسی آدمی کا ذکر کیا۔ میں نے کہا۔ تمہاری بکریوں میں کچھ دودھ ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ میں نے کہا دودھ لے سکتا ہوں۔ اُس نے کہا ہاں اور ایک بکری پکڑی۔ میں نے کہا۔ ذرا تھن کو مٹی۔ بال اور تنکے وغیرہ سے صاف کر لو۔ اُس نے ایک کاب میں تھوڑا سا دودھ دوہا۔ میرے پاس ایک چرمی لوٹا تھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پینے اور وضو کرنے کے لئے رکھ لیا تھا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ لیکن گوارا نہ ہُوا کہ آپ کو بیدار کروں۔ چنانچہ جب آپؐ بیدار ہوئے تو آپؐ کے پاس آیا۔ اور دودھ پر پانی انڈیلا۔ یہاں تک کہ اس کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پی لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیا۔ یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہُوا؟ میں نے کہا۔ کیوں نہیں؟ اس کے بعد ہم لوگ چل پڑے۔"

۲:۔ اس سفر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا طریقہ یہ تھا۔ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ردیف رہا کرتے تھے۔ یعنی سواری پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا کرتے تھے۔ چونکہ اُن پر بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے۔ اس لئے لوگوں کی توجہ انہیں کی طرف جاتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ابھی جوانی کے آثار غالب تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف توجہ کم جاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کسی آدمی سے سابقہ پڑتا۔ تو وہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے پوچھتا۔ کہ یہ آپ کے آگے کون سا آدمی ہے؟ (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس کا بڑا لطیف جواب دیتے) فرماتے "یہ آدمی مجھے راستہ بتاتا ہے"۔ اس سے سمجھنے والا یہی سمجھتا کہ وہ یہی راستہ مراد لے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ خیر کا راستہ مراد لیتے تھے۔

۳:۔ اسی سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر اُمّ مَعْبَد (خُزَاعِیہ) کے خیمے سے ہُوا۔ یہ ایک نمایاں اور دانا و توانا خاتون تھیں۔ ہاتھ میں گھٹنے ڈالے خیمے کے صحن میں بیٹھی رہتیں اور آنے جانے والے کو کھلاتی پلاتی رہتیں۔ آپ نے اُن سے پوچھا۔ کہ پاس میں کچھ ہے؟ بولیں۔ بخدا ہمارے پاس کچھ ہوتا۔ تو آپ لوگوں کی میزبانی میں تنگی نہ کرتی۔ بکریاں بھی دُور دراز ہیں۔ یہ قحط کا زمانہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا۔ کہ خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری ہے۔ فرمایا۔ اُمّ معبد! یہ کیسی بکری ہے؟ بولیں اسے کمزوری نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا۔ کہ اس میں کچھ دودھ ہے؟ بولیں۔ وہ اس سے کہیں زیادہ کمزور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اجازت ہے اسے دودھ لوں؟ اس گفتگو کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا۔ اللہ کا نام لیا۔ اور دعا کی۔ بکری نے پاؤں پھیلائے۔ تھن میں بھرپور دودھ اُتر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمّ معبد کا ایک بڑا سا برتن لیا۔ جو ایک جماعت کو آسودہ کر سکتا تھا اور اس میں اتنا دوہا کہ جھاگ اُوپر آ گیا۔ پھر اُمّ مَعبد کو پلایا وہ پی کر شکم سیر ہو گئیں۔ تو اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ وہ بھی شکم سیر ہو گئے۔ تو خود پیا۔ پھر اسی برتن میں دوبارہ اتنا دودھ دوہا کہ برتن بھر گیا اور اُسے اُمّ معبد کے پاس چھوڑ کر آگے چل پڑے۔

تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ان کے شوہر ابو معبد اپنی کمزور بکریوں کو جو دُبلے پن کی وجہ سے مریل چال چل رہی تھیں۔ ہانکتے ہوئے آ پہنچے دودھ دیکھا تو حیرت میں پڑ گئے پوچھا یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ جبکہ بکریاں دُور دراز تھیں اور گھر میں دودھ دینے والی بکری نہ تھی؟ بولیں۔ بخدا کوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ ہمارے پاس سے ایک بابرکت آدمی گذرا جس کی ایسی اور ایسی بات تھی۔ اور یہ اور یہ حال تھا۔ ابو معبد نے کہا۔ یہ تو وہی صاحبِ قریش معلوم ہوتا ہے۔ جسے قریش تلاش کر رہے ہیں۔ اچھا ذرا اس کی کیفیت تو بیان کرو۔ اس پر اُمّ معبد نے نہایت دل کش انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف و کمالات کا ایسا نقشہ کھینچا۔ کہ گویا سننے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے کہنے لگیں۔

"دمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ

تو ندلے پن کا عیب نہ گنجے پن کی خامی جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہُوا پیکر، سرگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں۔ سیاہ سرگیں پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں۔ تو پُرکشش، دُور سے دیکھنے میں سب سے تابناک و پُرجمال قریب سے سب سے خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہوں۔ درمیانہ قد نہ ناٹا کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے، دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ جو تینوں میں سب سے زیادہ تازہ و خوش منظر و پُررونق رفقاء آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں۔ کوئی حکم دیں تو لپک کر بجالاتے ہیں۔ مطاع و مکرم نہ ترش رو نہ نغوگو۔"

یہ اوصاف سُن کر ابو معبد نے کہا۔ واللہ یہ تو وہی صاحب قریش ہے۔ جس کے بارے میں لوگوں نے قسم قسم کی باتیں بیان کی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت اختیار کروں۔ اور کوئی راستہ ملا تو ایسا ضرور کروں گا۔

ادھر کے میں ایک آواز ابھری جسے لوگ سُن رہے تھے۔ مگر اس کا بولنے والا دکھائی نہیں پڑ رہا تھا۔ آواز یہ تھی۔

اللہ رب العرش ان دو رفیقوں کو بہترین جزا دے۔ جو اُم معبد کے خیمے میں نازل ہوئے۔ وہ دونوں خیر کے ساتھ اُترے اور خیر کے

اور جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رفیق ہُوا۔ وہ کامیاب ہُوا۔ ہائے قصی! اللہ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں تم سے سمیٹ لیں بنو کعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا بڑا اُو مبارک ہو۔ تم اپنی خاتون سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق پوچھو تم اگر خود بکری سے پوچھو گے۔ تو وہ بھی شہادت دے گی۔"

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کہتی ہیں۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدھر کا رُخ فرمایا ہے کہ ایک جن زیرین مکہ سے یہ اشعار پڑھتا ہُوا آیا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اس کی آواز سُن رہے تھے۔ لیکن خود اسے نہیں دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بالائی مکہ سے نکل گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم نے اس کی بات سُنی تو ہمیں معلوم ہُوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

وآلہ وسلم نے کدھر کا رُخ فرمایا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ مدینہ کی جانب ہے۔

راستے میں سُراقہ بن مالک نے تعاقب کیا اور اس واقعے کو خود سُراقہ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ میں اپنی قوم بنی مُدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا۔ کہ اتنے میں ایک آدمی آکر ہمارے پاس کھڑا ہُوا اور ہم بیٹھے تھے۔ اس نے کہا۔ اے سُراقہ! میں نے ابھی ساحل کے پاس چند افراد دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھی ہیں۔ سُراقہ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا۔ یہ وہی لوگ ہیں لیکن میں نے اس آدمی سے کہا کہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ تم نے فلاں اور فلاں کو دیکھا ہے جو ہماری نگاہوں کے سامنے سے گذر کر گئے ہیں۔ پھر میں مجلس میں کچھ دیر ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد اُٹھ کر اندر گیا۔ اور اپنی لونڈی کو حکم دیا۔ کہ وہ میرا گھوڑا نکالے۔ اور ٹیلے کے پیچھے روک کر میرا انتظار کرے۔ اُدھر میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے پچھواڑے سے باہر نکلا۔ لاٹھی کا ایک سرا زمین پر گھسیٹ رہا تھا۔ اور دوسرا اوپری سرا نیچے کر رکھا تھا۔ اس طرح میں اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا اور اس پر سوار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ حسب معمول مجھے لے کر دوڑ رہا ہے یہاں تک کہ میں ان کے قریب آگیا۔ اس کے بعد گھوڑا مجھ سمیت پھسلا اور میں اس سے گر گیا۔ میں نے اُٹھ کر ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پانسے کے تیر نکال کر یہ جاننا چاہا کہ میں انہیں ضرر پہنچا سکوں گا یا نہیں؟ تو وہ تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا لیکن میں نے تیر کی نافرمانی کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ وہ مجھے لے کر دوڑنے لگا۔ یہاں تک کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت سُن رہا تھا۔ اور آپ التفات نہیں فرماتے تھے۔ جبکہ ابوبکرؓ بار بار مڑ کر دیکھ رہے تھے تو میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور میں اس سے گر گیا۔ پھر میں نے اُسے ڈانٹا تو اس نے اٹھنا چاہا۔ لیکن وہ اپنے پاؤں بمشکل نکال سکا۔ بہرحال جب وہ سیدھا کھڑا ہُوا۔ تو اُس کے پاؤں کے نشان سے آسمان کی طرف دھوئیں جیسا غبار اڑ رہا تھا۔ میں نے پھر پانسے کے تیر سے قسمت معلوم کی اور پھر وہی تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا اس کے بعد میں نے امان کے ساتھ انہیں پکارا تو وہ لوگ ٹھہر گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا۔ جس وقت مجھے ان سے روک دیا گیا تھا۔ اسی وقت میرے دل میں یہ بات بیٹھ

گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ غالب آکر رہیگا چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپؐ کی قوم نے آپؐ کے بدلے دیت کا انعام رکھا ہے اور ساتھ ہی میں نے لوگوں کے عزائم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کیا اور توشہ اور ساز و سامان کی پیش کش بھی کی۔ مگر انہوں نے میرا کوئی سامان نہیں لیا اور نہ مجھ سے کوئی سوال کیا۔ صرف اتنا کہا کہ ہمارے متعلق رازداری برتنا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گذارش کی کہ آپؐ مجھے پروانۂ امن لکھ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر میرے حوالے کر دیا۔ پھر رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے۔

اس واقعے سے متعلق خود ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی ایک روایت ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ روانہ ہوئے تو قوم ہماری تلاش میں تھی مگر سراقہ بن مالک بن جعشم کے سوا، جو اپنے گھوڑے پر آیا تھا اور کوئی ہمیں نہ پا سکا۔ میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ پیچھا کرنے والا ہمیں آلینا چاہتا ہے آپؐ نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا — التوبہ

"غم نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔"

بہرحال سُراقہ واپس ہُوا۔ تو دیکھا کہ لوگ تلاش میں سرگرداں ہیں۔ کہنے لگا۔ اِدھر کی کھوج خبر لے چکا ہوں۔ یہاں تمہارا جو کام تھا وہ کیا جا چکا ہے۔ اس طرح لوگوں کو واپس لے گیا۔ یعنی دن کے شروع میں تو چڑھا آرہا تھا اور آخر میں پاسبان بن گیا۔

۵:۔ راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُریدہ اَسلمی ملے، یہ اپنی قوم کے سردار تھے اور قریش نے جس زبردست انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔ اسی کے لالچ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں نکلے تھے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سامنا ہُوا۔ اور بات چیت ہوئی۔ تو نقد دل دے بیٹھے۔ اور اپنی قوم کے ستر آدمیوں سمیت وہیں مسلمان ہو گئے پھر اپنی پگڑی اتار کر نیزہ سے باندھ لی جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتا اور بشارت سناتا تھا کہ امن کا بادشاہ صلح کا حامی، دنیا کو عدالت و انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔

۶:۔ راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ملے۔ یہ مسلمانوں کے ایک تجارت پیشہ گروہ کے ساتھ ملک شام سے واپس آ رہے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو سفید پارچہ جات پیش کئے۔

دوشنبہ ۸ ربیع الاول سنہ ۱۴ نبوت۔ یعنی سنہ ۱ھ مطابق ۲۳ ستمبر سنہ ۶۲۲ء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم قبا میں وارد ہوئے۔

حضرت عروۃ بن زبیر کا بیان ہے کہ مسلمانانِ مدینہ نے مکّہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کی خبر سُن لی تھی اس لئے لوگ روزانہ صبح ہی صبح حرّہ کی طرف نکل جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ تکتے رہتے۔ جب دوپہر کو دھوپ سخت ہو جاتی تو پلٹ آتے۔ ایک روز طویل انتظار کے بعد واپس پلٹ کر لوگ اپنے اپنے گھروں کو پہنچ چکے تھے۔ کہ ایک یہودی اپنے کسی ٹیلے پر کچھ دیکھنے کے لئے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے رفقاء سفید کپڑوں میں ملبوس۔ جن سے چاندنی چھٹک رہی تھی تشریف لا رہے ہیں۔ اُس نے بے خود ہو کر نہایت بلند آواز سے کہا۔ عرب کے لوگو! یہ رہا تمہارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔ یہ سنتے ہی مسلمان ہتھیاروں کی طرف دوڑ پڑے (اور ہتھیاروں سے سج دھج کر استقبال کے لئے اُمڈ پڑے)

ابن قیم کہتے ہیں۔ کہ اس کے ساتھ ہی بنی عمرو بن عوف (ساکنانِ قباء) میں شور بلند ہُوا۔ اور تکبیر سنی گئی۔ مسلمان آپ

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی فرماتے ہیں "اہلسنّت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے۔ انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست اور بزرگی کا جانتے ہیں۔" اس عبارت سے معلوم ہُوا کہ منکرین تصوف اہلسنّت والجماعت میں داخل نہیں۔ اہلِ سنّت اور صوفیہ محققین نے تصوف اور عقیدہ تصوف کو کتاب و سنّت سے وراثتاً پایا ہے۔ اس میں سلف سے خلف تک یکسانی کے ساتھ متفق رہے ہیں۔ یہ صوفیائے کرام کا اجماعی مسلک ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خوشی میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کے لئے نکل پڑے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل کر تحیۂ نبوت پیش کیا۔ اور گردو پیش پروانوں کی طرح جمع ہو گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سکینت چھائی ہوئی تھی اور وحی نازل ہو رہی تھی۔

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ
وَالْمَلٰٓئِکَةُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ۔

(بے شک اللہ تعالیٰ آپ کا دوست ہے اور جبرائیل علیہ السلام اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد فرشتے آپؐ کے مددگار ہیں)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ لوگوں سے ملنے کے بعد آپ ان کے ساتھ داہنے جانب مڑ لیے، اور بنی عمرو بن عوف میں تشریف لائے۔ یہ دوشنبہ کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ حضرت ابو صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنے والوں کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ چپ چاپ بیٹھے تھے۔ انصار کے جو لوگ آتے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا نہ تھا وہ سیدھے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کرتے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دھوپ آگئی۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چادر تان کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ کیا۔ اب لوگوں نے پہچانا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

آپ کے استقبال اور دیدار کے لئے سارا مدینہ اُمڈ پڑا تھا۔ یہ ایک تاریخی دن تھا۔ جس کی نظیر سرزمین مدینہ نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ آج یہود نے بھی حبقوق نبی کی اس بشارت کا مطلب دیکھ لیا تھا "کہ اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبا میں کلثوم بن ہدم۔ اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن خیثمہ کے مکان میں قیام فرمایا۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے۔

ادھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ میں تین روز ٹھہر کر اور لوگوں کی جو امانتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھیں۔ انہیں ادا کر کے پیدل ہی مدینہ کا رخ کیا۔ اور قباء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آملے۔ اور کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قباء میں کل چار دن یا دس سے زیادہ دن یا پہنچ اور روانگی کے علاوہ ۱۴ دن قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ اور اس میں نماز بھی پڑھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بعد پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ پانچویں دن (یا بارہویں دن یا چھبیسویں دن) جمعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم الٰہی کے مطابق سوار ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ردیف تھے۔ آپؐ نے بنو النجار کو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ننھیال تھے ان کی معیت میں مدینہ کا رخ کیا بنو سالم بن عوف کی وادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطن وادی میں اس مقام پر جمعہ پڑھا۔ جہاں اب مسجد ہے کل ایک سو آدمی تھے۔

جمعہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے۔ اور اسی دن سے اس شہر کا نام یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول۔ شہر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پڑ گیا جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت تابناک تاریخی دن تھا۔ گلی کوچے تقدیس وتحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے۔ اور انصار کی بچیاں خوشی ومسرت سے ان اشعار کے نغمے بکھیر رہی تھیں۔

اَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا
ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا
کیا عمدہ دین اور تعلیم ہے
مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ
شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ
بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

یہ فرقے

عارف محمود

ہم اپنے اردگرد نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں امت مسلمہ لاتعداد گروہوں فرقوں یا پھر پارٹیوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے اور پھر بدقسمتی کا عالم یہ ہے کہ ہر فرقہ کے اندر فرقے ہر پارٹی کے اندر پارٹیوں کا ایک ابتدائی اور لامحدود سلسلہ چل نکلا ہے۔ کہ صحیح معنوں میں دو آدمیوں کا اتحاد و اتفاق بھی ایک افسانہ بن کر رہ گیا ہے وقتی اغراض کے تحت چند آدمی کسی بات پر اتفاق کرتے ہیں۔ اغراض پوری ہو جائیں یا ان میں ناکامی ہو جاتے تو نہ صرف یہ کہ اتحاد و اتفاق ختم ہو جاتا ہے بلکہ اختراق و عداوتوں کی نوبت آجاتی ہے۔

غور کیا جاتے تو اس کا سبب یہی معلوم ہوگا کہ ہر گروہ، فرقہ اور ہر شخص لوگوں کو اپنے خود ساختہ پروگرام پر متحد و متفق کرنا چاہتا ہے اور جبکہ دوسرے لوگ خود اپنا بنایا ہوا کوئی نظام و پروگرام اگر رکھتے ہوں تو وہ ان سے متفق ہونے کی بجائے ان کو اپنے پروگرام پر متحد ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس لیے لازمی طور پر دعوتِ اتحاد کا نتیجہ افتراق و انتشار کی صورت میں نکلتا ہے اور اختلافات کی دلدل میں پھنسی ہوئی انسانیت کے ہاتھ نتیجۃً مزید افتراق کے سوا کچھ نہیں آتا۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے اندر فرقہ پرستی اور فرقہ بندی کو پروان چڑھتے دیکھ کر فرمایا تھا۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ہم اپنے گردو نواح میں دیکھتے ہیں۔ تو مشاہدے میں آتا ہے کہ فرقہ بندی کے جراثیم نہ صرف ہمیں شدید ترین نقصان پہنچا رہے ہیں بلکہ ہمیں انتہائی بری طرح گھائل کر رہے ہیں۔ کسی بھی طرف چلے جائیں ایک مسجد والے مولانا دوسری مسجد والے مولانا کو بری طرح تاڑ رہے ہوتے ہیں۔ علامۃ العصر خطیب العرب والعجم دوسرے فرقے پر برس رہے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کے مجتہد فی الدین والمذہب ادھر والوں کو کوس رہے ہوتے ہیں۔ جوش خطابت میں اچھل اچھل کر ایسے ایسے انداز سے پھبتیاں کسی جاتی ہیں۔ اور ایسے ایسے طریقے سے لعن طعن کے تیروں کی بوچھاڑ کی جاتی ہے اور الاماشاء حقائق و معارف کی وہ وہ گرہیں کھولی جاتی ہیں کہ عقل دنگ اور زبانیں گنگ

ہو کر رہ جاتی ہیں اور جب تک دوسرے گروہ والے اپنے "صاحب مجاز" اور "بحر العلوم" حضرت کو بلا کر اس کا جواب الجواب پیش نہ کر دیں۔ ان کو تو دن کا چین اور راتوں کا سکون غارت ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ جواب الجواب کے لیے حضرت کو بلایا جاتا ہے اور حضرت صاحب خوب جوشیلی اور خونخوار تقریر فرما کر چلے جاتے ہیں۔ اور بعد میں نتیجہ یہ نکلتا ہے۔

آٹھ دس کی آنکھ پھوٹی آٹھ دس کا سر کھلا
لو خطیب شہر کی تقریر کا جوہر کھلا

ایک مقرر شعلہ بیان، اپنی آتشی تقریر کے بعد فرمانے لگے

"او بے حس لوگو! اسلام کو ختم کرنے کے لیے دنیا بھر کے کافر و غیر مسلم اکٹھے ہو چکے ہیں"۔۔۔۔۔۔۔

ایک دل جلا قریب بیٹھا تھا کہنے لگا۔۔۔۔۔

وہ غیر مسلم مختلف المذاہب ہونے کے باوجود ایک نقطہ پر جمع ہو سکتے ہیں تو آپ تمام علماء کرام ایک ہی مذہب ہونے کے باوجود اکٹھے کیوں نہیں ہو سکتے۔

مجھے یاد آیا عید قربان سے پہلے ایک شخص نے ایک مولانا صاحب سے مسئلہ پوچھا کہ حضرت گائے یا اونٹ کی قربانی میں ایک شخص فلاں فرقہ کا ہے تو اس کی وجہ سے قربانی پر تو اثر نہیں پڑے گا۔

حضرت نے جواب دیا۔

اس شخص کی وجہ سے سب کی قربانی ناجائز۔ کسی کی قربانی بھی نہیں ہوگی۔ اس کا قصور یا وجہ عناد یا شومئی قسمت وہ شخص حضرت صاحب کے مخالف فرقے کا تھا۔

تو ایسی ہی باتوں کے نتیجہ میں نوجوان طبقہ جو پہلے ہی اسلام سے برگشتہ اور دور ہوتا جا رہا ہے منبر رسولؐ پر بیٹھ کر گالی گلوچ اور لعن طعن کے تیروں سے گھائل ہو کر مزید باغی ہوتا جا رہا ہے اور ہماری اکثر مساجد نمازیوں سے ایسے ہی خالی ہوتی جا رہی ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا تھا۔

جانے گلشن میں یہ کیا، صیاد تو نے کہہ دیا
ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملتا نشانِ عندلیب

ایسے وقت میں جب کہ نفرتوں اور کدورتوں کے انبار لگے ہوتے ہیں۔ ایک فرقے کا آدمی دوسرے فرقے کے شخص کو سلام کرنا تو درکنار جواب دینا پسند نہیں کرتا۔ کافر و غیر مسلم سے اتنی گھن نہیں آتی جتنی اُسے دوسرے فرقے کے آدمی سے نفرت ہوتی ہے ایسے وقت میں تو ہمارے علمائے کرام کو صلح اور امن و آشتی کا اور محبت و اخوت کا پیامبر ہونا چاہیے نہ کہ اس سلگتی ہوئی چنگاری کو مزید ہوا دینی چاہیئے۔

میں مختلف مکاتب کے مسلم بزرگوں کے چند اقوال و اعمال نقل کر رہا ہوں مقصد یہ ہے کہ یہ سب حضرات اپنے بزرگوں کی اتباع میں اپنے اندر دور اندیشی رواداری اور فراخدلی کے جذبات و احساسات پیدا کریں اور منافرت و فساد پروری کے طریق کو ترک کر دیں اور اختلاف رائے اپنی حد تک رکھیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

منشی محمد جعفر تھانیسری مرحوم نے تاریخ موسوم بہ سوانح احمدی کے نام سے حضرت سید احمد بریلویؒ کے حالات زندگی پر ایک کتاب لکھی جس میں ایک واقعہ لکھا ہے۔

"جب عید کی نماز کا وقت آیا۔ تو موجودوں نے جمع ہو کر مولوی اسماعیل شہیدؒ سے عرض کیا کہ امام عیدگاہ بدعتی ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں۔ کسی دوسری جگہ نماز عید پڑھنے کا بندوبست کیا جائے۔ تب مولانا شہید نے فرمایا۔

جماعت میں تفریق ڈالنے والوں پر لعنت آتی ہے ہم تفریق مسلمین کے باعث نہ ہوں گے۔ وہ امام عیدگاہ ہمارے ہی چچا شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد ہیں۔ وہ سب باتیں محض اپنی نفسانیت سے کہتے ہیں۔ اپنے عقیدے کی وجہ سے نہیں کہتے"

صد "۱۹۳" مولانا شہیدؒ نے اپنے ایک شدید ترین مخالف کے پیچھے نماز پڑھنے سے اجتناب نہیں فرمایا۔ حالانکہ مولف کتاب فرماتے ہیں۔ کہ امام عیدگاہ مخالف بھی ایسے تھے کہ کہا کرتے تھے کہ "جس چیز کو مولوی اسماعیل حرام کہیں میں اس کو حلال ضرور کہوں گا۔

قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ

حضرت نانوتویؒ کی عالی ظرفی کا واقعہ منقول ہے کہ ایک رات حضرت مولانا نانوتویؒ ایک کمرے میں لیٹے ہوئے تھے۔

اور دوسرے کمرے میں حضرت مولانا احمد حسن امروہوی اور جناب امیر شاہ خواجوی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ دورانِ گفتگو امیر شاہ مرحوم نے کہا کہ ہم فجر کی نماز فلاں مسجد میں پڑھیں گے وہاں کا امام بہت خوش آواز ہے۔ اس پر مولانا احمد حسنؒ صاحب نے کہا کہ ہم اس امام کے پیچھے ہرگز نماز نہیں پڑھیں گے۔ وہ ہمارے مولانا نانوتویؒ کو کافر کہتا ہے۔ اس گفتگو کو مولانا نانوتوی نے بھی سن لیا فرمایا احمد حسنؒ میرا خیال تھا کہ تم مولوی بن گئے ہو مگر تم تو ابھی جاہل ہو۔ قاسم نانوتوی کو کافر کہنے سے کوئی اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کے پیچھے نماز ناجائز ہو جاتے؟ بلکہ یہ تو اس کے تدین کی دلیل ہے کہ اس کو ہمارے متعلق کوئی روایت بے ادبی کی پہنچی ہوگی۔ اس لیے اس نے کافر کہا۔ گو وہ روایت غلط ہو۔ ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ آپ نے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو اس معاملے میں اپنے شدید مخالفوں تک کی بھی صفائی پیش فرماتے تھے۔

مثلاً حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ جو کہ علمائے دیوبند کے عموماً اور حضرت تھانویؒ کے خصوصاً سخت مخالف تھے ان کے جواب میں بھی یہی فرمایا کرتے تھے۔ ممکن ہے ان کی مخالفت کا سبب واقعی حب رسولؐ ہی ہو۔ اور وہ غلط فہمی سے ہم کو نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخ سمجھتے ہوں"

اشرف السوانح ۲ صہ ۱۲۹۔ صہ ۱۸۹ پر فرماتے ہیں۔

جیسے بھی ہیں۔ میں علماء کے وجود کو دین کی بقا کے لیے اس درجہ ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ اگر سارے علماء اس مسلک کے بھی ہو جائیں۔ جو مجھ کو کافر کہتے ہیں۔ تو میں پھر بھی اُن کی بقا کے لیے دعا مانگتا رہوں گا۔ اگرچہ وہ بعض مسائل میں غلو کریں اور مجھ کو بُرا بھلا کہیں مگر وہ تعلیم تو قرآن وحدیث ہی کی کرتے ہیں ان کی وجہ سے دین تو قائم ہے۔ میں ان کو دہری مدعیانِ اسلام کے مقابلے میں ہزار درجہ غنیمت جانتا ہوں۔ جو سرے سے ہی دین کو اڑانا چاہتے ہیں۔ اور خدا جانتا ہے کہ اس وسعت رائے سے میری کوئی ذاتی مصلحت نہیں بلکہ اس کا منشاء محض حفظ حدود ہے

مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

سابق ریاست بہاولپور میں ایک مسلمان عورت کا خاوند مرزائی ہو گیا تھا۔ اس پر عورت نے عدالت میں شوہر کے ارتداد کی وجہ سے تنسیخ نکاح کی درخواست دی مقدمہ دائر ہوا۔ اس میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی شہادت کے دوران مرزائی وکیل نے فتویٰ تکفیر کو بے اعتبار ثابت کرنے کے لیے کہا کہ دیوبندی بریلوی کو اور بریلوی دیوبندیوں کو کافر کہتے ہیں۔ اس پر حضرت شاہ صاحب نے فوراً عدالت کو مخاطب ہو کر فرمایا۔

"میں بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گزارش کرتا ہوں کہ حضرات دیوبند، بریلوی حضرات کی تکفیر نہیں کرتے۔ مسلمانوں اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے۔ اور علما دیوبند و بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے قانون کا نہیں۔ چنانچہ فقہا نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر کوئی مسلمان کلمہ کفر کسی شبہ کی بنا پر کہتا ہے۔ تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی"

انوار حیات صہ ۳۳۳

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مرتبہ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ آپ کو بیہقی وقت کہا کرتے تھے۔

حضرت قاضی صاحب نقشبندی المشرب اور بدعات کے سخت مخالف تھے۔ اس کے باوجود دوسرے مسالک ومشارب کے بزرگوں سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوتا۔ جو آپ کے نزدیک بدعت میں داخل ہوتا تو ان کو اس پر مطعون کرنے کی بجائے ان کے عمل کو خطائے اجتہادی کا نتیجہ قرار دے کر اُن کو ماجور و مثاب جانتے اور فرماتے کہ اگر ان کی نسبت اس حسن ظن اور توجیہ کو اختیار نہ کیا جائے۔ تو نہ صرف فقہا پر بلکہ تمام عالم پر عافیت تنگ ہو جائے گی"

اشرف السوانح ۲ صہ ۱۲۵

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ

آپ فرماتے ہیں۔

فقہائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو جس میں سو پہلو نکل سکیں۔ ان میں ننانوے پہلو کفر کی جانب جاتے ہوں۔ اور ایک پہلو اسلام کی طرف تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص کفر کا پہلو مراد رکھا ہے ہم اسے کافر نہ کہیں گے کہ صرف ایک پہلو اسلام بھی تو ہے۔ کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو۔

تمہید ایمان ص ۳۳

پھر ص ۳۷ پر فرماتے ہیں: "کتب فتاویٰ میں جتنے الفاظ پر حکم کفر کا جزم کیا ہے۔ ان سے مراد وہ صورت ہے کہ قائل نے ان سے پہلوئے کفر مراد لیا ہو ورنہ ہرگز نہیں"

مولانا ابوالحسنات خطیب مسجد وزیر خاں لاہور

مولانا ابوالحسناتؒ جمعیت العلمائے پاکستان کے صدر بھی رہے ہیں آپ کا ایک بیان روزنامہ نوائے وقت ۲۰ اپریل ۱۹۵۵ء کو شائع ہوا تھا۔ جس کے الفاظ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں

لاہور ۱۷ اپریل:

اچھرہ کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا۔ کہ مجھے کہا گیا ہے کہ میں معین طور پر بیان کروں کہ بریلویوں اور دیوبندیوں کے درمیان اساسی عقائد کے اعتبار سے کیا اختلاف ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بریلی اور دیوبند دونوں جگہ ہر خیال اور ہر عقیدہ اور ہر مذہب کے لوگ موجود ہیں پھر دیوبند اور بریلی دونوں ہندوستان میں رہ گئے۔ اس لیے پاکستان میں ان کے اختلاف کا سوال ہی بے معنی ہے۔ اگر موضوع سے مراد یہ ہے کہ بریلی دینی درسگاہ اور دیوبند کی دینی درسگاہ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے والوں کے نظریات و افکار کے اختلافات پر روشنی ڈالی جائے۔ تو میں اعلان کیے دیتا ہوں کہ اساسی عقائد کے اعتبار سے دونوں مکتبوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ بریلوی علماء حضرات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ توہین کرنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور دیوبند کے علماء بھی اصولی طور پر اس کلیہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ دونوں مسلکوں کے علماء کے درمیان بعض عبارتوں کے متعلق رائے کا اختلاف ہے۔ بریلوی علماء دیوبندی علماء کی بعض تحریروں پر معترض ہیں۔ اور یہ رائے رکھتے ہیں کہ ان تحریروں کے ظاہری معانی کو صحیح سمجھنے والا شخص گمراہ ہو جاتا ہے۔ دیوبندی اپنے اکابر کی ان تحریروں کو قابل گرفت یا مورد تنقید خیال نہیں کرتے۔ اصول و اساس میں بریلوی علماء سے وہ سو فیصد متفق ہیں۔

مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ برصغیر پاک و ہند کے ممتاز ترین علماء کرام میں سے تھے اور حضرت مولانا سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقرب ترین مریدوں میں سے تھے۔ آپ فرماتے ہیں

"حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا زمانہ میں نے نہیں پایا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا محمود الحسن دیوبندی کی زیارت ایک دفعہ کی ہے اور ایک دفعہ وعظ بھی سنا ہے۔ اس سے زیادہ ان حضرات کے ساتھ مصاحبت کا اتفاق نہیں ہوا۔ مگر میرا اعتقاد ان بزرگوں کے متعلق یہ ہے کہ یہ سب حضرات علماء ربانین اور علماء امت محمدیہ میں سے تھے۔ احقر کو بعض مسائل میں ان سے اختلاف بھی ہے مگر میرا اعتقاد یہی ہے اور اس اعتقاد کے اختیار کرنے کا سبب ان کی تصنیفات کا مطالعہ اور استفادہ اور قبول عام ہے بالخصوص مولانا اشرف علی تھانوی دامت برکاتہم کی خدمات طریقت پر نظر کر کے شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں"۔ چراغ وسنت مولفہ مولانا سید فردوس علی شاہ

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کشمیر سے دیوبند واپس جاتے ہوئے میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں بھی شاہ صاحب کے ہمراہ تھا۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ میں خداوند کریم کا شکر یہ کس زبان سے ادا کروں۔ کہ جس نے ایک مدت کی تمنا کو آج پورا فرمایا۔ اس کے

بعد میاں صاحب نے شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی اور دیگر اکابر علماء دیوبند کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ان حضرات کو اب کہاں ڈھونڈیں آپ نے حضرت شیخ الہند کے ایک خط کا بھی ذکر کیا اور فرمایا وہ میرے پاس موجود اور محفوظ ہے۔ میاں صاحب نے دو کپڑے کرتہ تہبند شاید پگڑی بھی پورا یاد نہیں اور پانچ روپے کرتے میں ڈال کر شاہ صاحب کو ہدیہ پیش کیے اور ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر شاہ صاحب کو رخصت کرنے کے لیے بنفس نفیس موٹروں کے اڈے تک تشریف لائے یہ تو تھا عمل اور برتاؤ جو میاں صاحب نے حضرت شاہ صاحب سے فرمایا اب میاں صاحب کا ارشاد بھی پڑھیے آپ نے فرمایا۔

"دیوبند میں چار نوری وجود ہیں۔ اُن میں ایک مولانا انور شاہ ہیں" حضرت کا یہ ارشاد آج بھی خزینہ معرفت طبع اول میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جو حضرت کے خلیفہ صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوریؒ مرحوم کی تصنیف ہے۔ لیکن اب اس کتاب کے حواشی ایڈیشن شائع ہوتے ہیں۔ اس میں سے یہ ارشاد نکال دیا گیا ہے اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ناشر کتاب نے اپنے پیر روشن ضمیر کی اور ان کے خلیفہ باتدبیر کی ایک اعلیٰ تعلیم عوام تک پہنچانے میں بخل کیا ہے۔

مندرجہ بالا علماء اور مشائخ کے اقوال و ارشادات کے پیش نظر عوام تفریق پسند عناصر اور فتنہ پرور مولوی حضرات سے دریافت کریں کہ جن بزرگوں کو آپ اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں۔ جن کی حق پسندی للّٰہیت اور خلوص کے آپ قائل ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جن کی حمایت سے آپ نے میدانِ کارزار گرم کر رکھا ہے جب ان بزرگوں کا اپنے مخالفوں کی نسبت یہ خیال تھا اور جس کا اظہار اُن کے ارشادات اور ان کے طرزِ عمل سے ہو رہا ہے تو آپ اُن کی پیروی اس معاملے میں کیوں نہیں کرتے آپ ان کے نقش قدم پر کیوں نہیں چلتے آپ نے جنگ و جدل اور منافرت کا طوفان کیوں برپا کر رکھا ہے۔ کیا آپ اپنے مسلمہ بزرگوں سے زیادہ دین کا درد رکھنے والے ہیں۔ جو افراد اپنے مسلمہ بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کے لیے تیار نہیں صاف ظاہر ہے وہ اپنی ذاتی شہرت اور دنیوی مفاد کی خاطر ایسا کر رہے ہیں نہ کہ دین کی خدمت کے لیے ایسے افراد سے قطع تعلق کر لینا ہی اسلام کی سچی خدمت ہے۔

---

* میٹھی زبان بیشمار دشمنوں سے بچاتی ہے۔
* مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔
* عبادت جو ثواب کے لیے کی جائے تو تجارت ہے اور عذاب کے خوف سے کی جائے تو غلامی ہے اور اگر ادائے شکر کے لیے کی جائے تو بندگی ہے۔
* دنیا میں سب سے مہنگی چیز عزت اور سب سے قیمتی چیز دوستی ہے۔
* عقل مند اپنے آپ کو پست کر کے بلندی حاصل کرتا ہے اور نادان اپنے آپ کو بڑھا کر ذلت اٹھاتا ہے۔
* جس شخص کی امیدیں چھوٹی ہوتی ہیں اس کے عمل بھی درست ہوتے ہیں۔
* شرافت اپنی بلند ہمتی سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ اپنے باپ دادا کی بوسیدہ ہڈیوں پر فخر کرنے سے۔
* دشمن کے حسن سلوک پر بھروسہ مت کرو۔ کیونکہ پانی کو آگ سے کتنا ہی گرم کیا جائے پھر بھی وہ اس کے بجھانے کو کافی ہے۔
* خوشی کو دائمی اور ابدی خیال نہ کرے کیونکہ جس کو ایک زمانہ خوش کرتا ہے اسے کئی زمانے رنج دیتے ہیں۔
* اگر دل میلا ہے تو سب کچھ ناپاک ہے۔ جسم دھونے سے دل پاکیزہ نہیں ہوتا۔
* انتقام کی آگ بعض اوقات انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ سلگتا زہر جس سمت کا تعین کرے انسان اسی طرف چل دیتا ہے۔
* محبت اس مہک کا نام ہے جو شہنشاہوں کے ایوانوں سے لیکر قلندر کے گوشے تک یکساں اثر انداز ہوتی ہے۔
* عظمت جھکنے کا نام ہے۔
* اپنی گستاخی کا اعتراف مقدس عبادت کا نام ہے۔
* زندگی جہاں سمندی نہیں حیات افروزی کا نام ہے۔
* اگر تم غیر عورتوں کے احترام کو ضروری نہیں سمجھتے تو یقیناً تمہاری عورتیں بھی احترام کے لیے جانے کی مستحق نہیں۔
* دشمن سے چھپانے والی بات دوست پر ظاہر کرنا بھی حماقت ہے
* انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے سے اور رات عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔
* تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

مُردہ دِلوں کی آبیاری

ظفر قریشی

کائنات کا سارا کاروبار ایک نظام کے تحت چل رہا ہے۔ اجرام فلکی اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ ستارے اور سیارے اپنا متعین فعل ادا کر رہے ہیں۔ زمین پر سوائے حضرت انسان کے باقی کی ساری مخلوق اپنے اپنے کام میں مگن ہے۔ جو رول اور فریضہ اسے سونپا گیا ہے اسے بطریق احسن پورا کر رہی ہے۔ موسموں کا تغیر و تبدل، زمین سے پیداوار بھی کسی نظام کے تابع ہیں۔ درندے اپنے شکار کی تلاش میں مارے مارے پھریں یا لاوا زمین کے کمزور حصوں سے باہر ابل پڑے یا کوئی تبدیلی رونما ہو تو وہ خود بخود نہیں ہوتی۔ اس تبدیلی کا پیدا ہونا کسی ہستی کے زیر اثر ہے۔ حتیٰ کہ درخت کا پتہ بھی اس ہستی ماس عظیم ہستی کے حکم کے بغیر نہیں ہلتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ سوائے انسان کے باقی کی ساری مخلوق بے اختیار ہے۔ اسے وہی کچھ کرنا ہے جسے خالق نے کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی سب مخلوق سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اسے عقل و شعور سے نوازا ہے۔ اسے علم کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ اسے زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا ہے۔ اور اس کی تربیت کے لیے روز ازل ہی سے اپنی طرف سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اصول زندگی سکھانے کا بندوبست کیا۔ مگر یہ عقل رکھنے والا انسان ہر دور میں گمراہی ہی میں نجات ڈھونڈتا رہا۔ بالآخر رب کائنات نے انسانی عقل پر احسان عظیم کی اور اپنے عظیم ترین بندے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ایسا عظیم رہنما عنایت فرمایا کہ اب تا قیامت کسی اور نبی اور رسول کی ضرورت ہی ختم کر دی۔ آپ نے اپنے ۲۳ سالہ دور نبوت میں انسان کو اس کے کمال تک پہنچا یا کہ اس کی نظیر پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے صحابیؓ کہلائے۔ ان کے بعد تابعینؒ آئے۔ اور پھر تبع تابعینؒ نے خلا کو پر کرنے کا فریضہ سنبھالا۔ ان نفوس قدسی نے اپنے اپنے وقت میں رب جلیل کے احکامات کو جگہ جگہ پہنچایا اور ان کی کوششوں سے دنیا کے ایک بہت بڑے حصے پر پھیلے ہوئے لوگ وابستہ اسلام ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ذرائع آمد و رفت محض گھوڑے اور اونٹ تک محدود تھے۔ رسل و رسائل کا کوئی تصور نہ تھا۔ اس کے باوجود ایک نہایت قلیل مدت میں اسلام کا لافانی پیغام اس سرعت سے پہنچا دینا ایک ناقابل یقین کارنامہ ہے۔

نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ؎

دشت تو دشت رہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اور ایسا بھی وقت آیا کہ مسلمان جرنیل جہاں ایک دفعہ رخ کر لیتے تو پھر واپسی کا راستہ خود ہی بند کر دیتے۔ طارق بن زیاد نے اپنی کشتیوں کو اس وجہ سے جلا ڈالا کہ اس کے سپاہی کسی طرح کی پسپائی کی صورت میں واپسی کا سوچ بھی نہ سکیں۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کروا دی تھی کہ ؎

ہر ملک ملک ما است
کہ ملک خدائے ما است

اور پھر اس ملک میں خدا کا پیغام نہ صرف پہنچایا بلکہ پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے،

والی صورت ہو گئی تو نتیجہ یہ نکلا کہ وہ امت جس کے نام سے کفر کو کپکپی لگ جاتی تھی۔ اس نے بجائے یہ کہ مسلمان تو محض اب نام کے مسلمان رہ گئے ہیں ان میں وہ صفات قدرہ ہی نہیں گئیں۔ جن کو پا کر انہوں نے ایک عالم کو متحیر کر دیا تھا۔ اب تو محض دکھاوا ہے "خاص ہے ترکیب جس قوم میں رسولؐ ہاشمی" والی تو بات اب ختم ہے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا کہ ہر جگہ، ہر میدان میں، ہر مدت مسلمان کا مقدر بنی۔ کفر نے وہ بدلے لیے کہ تاریخ ان کے مظالم کا صحیح احاطہ بھی نہیں کر سکی۔ وہ ہسپانیہ جسے طارق بن زیاد نے فتح کیا۔ اور وہاں آٹھ صدیوں تک

مسلمانوں نے حکومت کی وہاں ایک بھی مسلمان نہ رہنے دیا گیا۔ وہ سارے علاقے جہاں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں تھیں۔ غلام بنا لیے گئے۔ ہندوستان میں جہاں آخر میں مغلیہ سلطنت قائم ہوئی تھی اسے بھی زوال آگیا۔

مگر ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ وہ سارے اسباق جو تعلیم محمدیؐ میں تھے وہ مسلمانوں نے چھوڑ دیئے۔ ایک صراطِ مستقیم پر چل پڑے تھے اس کو چھوڑ دیا اور گمراہی کی راہ چل نکلے۔ سارا قصور افراد کا نکلا۔ یعنی افراد نے سبق بھلا دیا۔ اور افراد ہی سے معاشرہ اور اور قومیں بنتی ہیں۔ وہ بگڑ گئیں۔ ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ نے کمال کرم نوازی سے مسلمانوں کو جگہ جگہ اپنی حکومتیں قائم کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر مشتمل علاقوں کو پاکستان کے نام سے ایک علیحدہ خطہ زمین بخشا ہے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کے نام سے منظم کر کے باقی دنیا کے لیے مشعلِ راہ بنا سکیں۔ مگر اس خطہ پاکستان میں اور ہر اسلامی ملک میں عملاً کیا ہو رہا ہے؟ وہی کچھ ہو رہا ہے جسے حضورؐ نے کرنے سے منع فرمایا ہے

ا	سود نہ لو	لیا جا رہا ہے۔
ب	رشوت نہ لو	لی جا رہی ہے، دی جا رہی ہے۔
ج	جھوٹ نہ بولو	بولا جا رہا ہے۔
د	غیبت نہ کرو	کی جا رہی ہے۔
ر	شراب نوشی نہ کرو	کی جا رہی ہے۔
س	ایک دوسرے کا حق نہ مارو	مارا جا رہا ہے۔
ص	مسلمانوں کا خون حرام ہے	چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل ہو رہے ہیں
ط	مسلمان عورتوں کی عصمتوں کی حفاظت کرو۔	عصمت لٹ رہی ہے۔
ع	یہودیوں اور نصرانیوں سے دوستی نہ رکھو۔	ان کی دوستی پر فخر کیا جا رہا ہے۔
ف	فرائض کی ادائیگی وقت پر کرو۔	فرض چھوٹ رہے ہیں اور رواجوں میں کوتاہی تک نہیں ہوتی۔

یعنی ہر وہ کام جس سے منع کیا گیا ہے۔ بڑی ڈھٹائی، دیدہ دلیری اور بے شرمی سے کیا جا رہا ہے۔ نام کے ہم پھر بھی مسلمان ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ہمارے قلوب مردہ ہو چکے ہیں۔ ان کی زندگی روحانی ختم ہو چکی ہے۔ مگر اس نقصان کا کوئی احساس نہیں ہے ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا،
اور کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اور یہی سب سے خراب بات ہے۔ احساس ہو تو انسان اپنی اصلاح کی طرف توجہ کر سکتا ہے۔ مگر جب یہ احساس ختم ہو جائے تو پھر سب برائیوں پر خاموشی اور قبولیت۔

اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ مردہ زمین پر آسمان سے پانی بھیجتا ہے۔ جس سے وہ مردہ پن ختم ہو جاتا ہے۔ وہ زمین پھر سے سرسبز ہو جاتی ہے۔ اس میں وہ ساری قوتیں عود کر آتی ہیں۔ جن سے ہر طرف بہار کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ بعینہٖ ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے مردہ دلوں کو پھر سے زندہ کر لیا جائے اور یہ اس طرح کہ ان پر انوارات الٰہیہ کی بارش پڑ جائے جس سے وہ مردہ دل (قلوب) زندہ ہو جائیں اور وہاں ہریالی (انوار) کا دور دورہ ہو جائے۔ خوش قسمتی سے ہمارے پاس ایک ایسا طریقہ آگیا ہے۔ جس سے ہم وہ بارش (انوارات الٰہیہ) اپنے مردہ دلوں پر جب چاہیں اور جتنی مقدار میں چاہیں برسوا سکتے ہیں۔ اور وہ طریقہ ہے ذکرِ خفی، یعنی پاس انفاس۔ جو قلوب اس بارش سے تر ہو چکے ہیں ان کی دنیا ہی بدل چکی ہے۔ اپنے حساب سے ٹھیک ٹھاک جدیدیت کے ہیرو، تمباکو نوش بلکہ مے نوش اور ان سے ملحق خباثتوں کے رسیا۔ اب اپنے اپنے چہروں پر سنت رسولؐ سجائے ہوئے ہیں۔ ان کی روزمرّہ کی زندگی اسلام کا عملی نمونہ بن گئی ہے اور کیوں نہ ہو۔ وہ قلوب جن میں شیطان کا بسیرا تھا یا حکومت تھی اب انوارات الٰہیہ کے زیرِ نگیں آ گئے ہیں۔ یعنی وہاں کی حکومت بدل گئی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی ملک میں حکومت بدلتی ہے تو نئے حکمران تباہی مچا دیتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ والوں کے قلوب میں بھی شیطان کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔ وہ ہزیمت اٹھا کر وہاں سے چلتا بنا ہے۔ اور اس کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا ہے۔ اب قلوب میں اللہ رب العزت کی حکمرانی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ خلافِ قرآن و سنت کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ رزق ہو گا تو حلال گا۔ پیروی ہو گی تو اسوۂ حسنہ کی۔ نماز میں کسی وجہ سے دیر پریشان کر دے گی۔ فرائض خود بخود وقت پر اور صحیح طور پر ادا کرنے کا خیال ہو گا۔ اور یہی وہ اوصاف ہیں جو ایک مومن میں ہونے چاہئیں۔ کاش ہر مسلمان کا قلب اسی طرح منور ہو جائے تاکہ پوری امت میں وہ اوصاف پیدا ہو سکیں جو صحابہ اجمعین کا خاصہ تھے۔ جن سے بہرہ ور ہو کر تابعینؒ نے صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کا حق ادا کیا اور پھر تبع تابعینؒ نے تابعینؒ کی پیروی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں والا جوش، جذبہ، ہمت، طاقت ایمان، اخوت، محبت اور راستبازی عطا کر دے تاکہ دنیا سے شیطان کے پجاری نیست و نابود کئے جا سکیں۔

آپ نے پوچھا

لاہور / ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء
مکرمی و محترمی قبلہ حضرت صاحب دائم اقبالہ،

مودبانہ سلام!

اللہ کرے آپ بخیریت ہوں۔ آمین!

دو سوال ذہن میں آرہے ہیں۔ از راہ شفقت ان کے جوابات سے نوازیں۔

الف :۔ گیارہویں شریف ہے کیا؟

ب :۔ شریعت میں کیا مقام ہے؟

ج :۔ گیارہویں شریف چونکہ صحابہؓ، تابعینؒ کے بعد غالباً شروع ہوئی لہٰذا پہلے والوں کی "محرومیت" چہ معنی دارد؟

"المرشد" میں چھپنے کی صورت میں سبھی ساتھی مستفید ہو سکیں گے اس لیے ان جوابات کو وہاں بھی بھیج کر ممنون فرمائیں۔

آپ کی توجہ و دعاؤں کا طالب
ظفر قریشی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یہ تو بڑی سادہ سی بات ہے اور اس میں دو ہی نمبر ہیں تین نہیں ہے

۱ :۔ حقوق اللہ کا پاس۔ یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو اس کی ذات یا صفات میں شریک نہ سمجھا جائے اور فرائض عبادات پوری محنت سے ادا کی جائیں

۲ :۔ حقوق العباد۔ بندوں کے حقوق کا لحاظ رکھا جائے کسی کا حال منصب آرام اور عزت نہ چھینی جائے جن کے حقوق اپنے ذمہ ہیں پوری کوشش کی جائے کہ ادا ہوں اس سے زائد اگر کوئی کرے تو ترقی درجات کا سبب ضرور ہے مگر یہ دو درجے ضرورت کے ہیں۔

- - - - - -

اب آپ کے دوسرے سوال کا جواب۔

الف :۔ گیارہویں شریف ایک رسم ہے۔ جو بہت بعد کے لوگوں نے ایجاد کی اگر "ب" اس کو بطور عبادت یعنی امید ثواب پر ادا کیا جائے تو بدعت ہے۔ اگر محض رسم جان کر کریں تو صرف فضول خرچی کا وبال۔

ج :۔ صحابہ کرام یا متقدمین رسومات سے پاک اور عبادات سے معمور دین پر عامل تھے۔ بہت سی رسومات بر صغیر میں ہندوؤں سے لی گئیں ہیں یہ رسم بھی اسی راہ سے آئی ہے۔ جنم دن منانا ان کا مذہبی تہوار ہے۔ ورنہ قرآن حکیم نے تو بعثت عالی کو بہت بڑی نعمت ارشاد فرمایا ہے۔ اگر کوئی چاہے بھی تو بعثت عالی پر اظہار تشکر ضرور کرے وہ بھی حدود شرعی کو نگاہ میں رکھتے ہوئے۔ اگر شریعت کے خلاف غل غپاڑہ اور خرافات کی جائیں گی تو یہ ناشکری ہوگی۔ اللہ اس سے بچائے۔

والسلام۔ فقیر

سوال :۔ "وحدت الوجود" کے اصل مفہوم سے آگاہ فرمایئے۔

جواب :۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

عزیزم تصوف کی کیفیات و مقامات کو سمجھنے کے لیے تو عملاً اسے اپنانا پڑتا ہے ورنہ صحیح کیا بالکل سمجھ نہیں آتی۔

اب رہا آپ کا سوال تو صورت یہ ہے کہ فنا فی اللہ کی منزل نصیب ہو تو ہر چیز کے وجود اور اس کی بقا۔ کا سبب اللہ کریم کی صفت

ربوبیت و خالقیت کا نور نظر آتا ہے۔ سالک یہ جان لیتا ہے کہ اصل طاقت، ہستی تو صرف یہ ہے کہ باقی سب محض دکھاوا ہیں۔ متصوفین صوفیہ نے اسے وحدۃ الوجود یعنی وجود مخلوق میں تو ہے ہی نہیں صرف اللہ کا ہے۔ یہ سب اس کے پرتو ہیں۔ وجود ایک ہی ہے مگر لفظ سے اشتباہ ہونے لگا اور جاہلوں نے اس کا یہ معنی لینا شروع کر دیا کہ سب کچھ ہی اللہ ہے اسی سے یہ بات نکلی کہ ہمہ اوست۔ مگر بعد کے بزرگوں نے خصوصاً حضرت مجدد نے یہ تصحیح فرمائی کہ وحدت الوجود کہنا ہی نہیں وحدت مشہود کہا جائے کہ سب کچھ اللہ نہیں بلکہ اس کی ذات پر گواہ ہے۔ اس کی ہستی اس کی ربوبیت و خالقیت اور قدرت تامہ پر ہر شے شہادت دیتی ہے یعنی ہمہ از اوست۔ ہر چیز وہ نہیں بلکہ ہر شے اس سے ہے۔ اللہ کریم ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائیں۔ والسلام

فقیر محمد اکرم۔

عزیزم لیاقت صاحب عاقبت بخیر باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا مکتوب گرامی ملا آپ نے نہایت مشکل مسئلہ چھیڑا ہے اور پابندی یہ لگائی ہے کہ منطقی طریقے سے حل کیا جائے۔

پہلی بات یہ ہے کہ جس چیز کا تعلق ماننے سے ہو وہ عقائد کی فہرست میں آتی ہے۔ جس کو آپ نے قسمت کو ماننا" قرار دیا ہے اُسے شریعت کی اصطلاح میں عقیدۂ تقدیر کہتے ہیں اور یہ اتنا مشکل ہے کہ ہر آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا ہے اس لئے حضور اکرم نے اس پر بحث کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور بات صرف تقدیر کی نہیں بلکہ اَن دیکھی حقیقتوں کو ماننا یا ان پر ایمان لانا یہ نہیں کہ وہ حقیقت سمجھ میں آئے۔ یا اس کا مشاہدہ ہو جائے۔ بلکہ ایمان کی بنیاد اللہ کے رسول ؐ پر اعتماد ہے۔ اور یہ کوئی مذہبی دھاندلی نہیں بلکہ خالص نفسیاتی اور اور تجرباتی مسئلہ ہے۔ آپ غور کریں بیماری کے سلسلے میں کیا ڈاکٹر پر اعتماد ہوتا ہے یا بیمار کہتا ہے کہ بیماری اور دوائی کی حقیقت سمجھ میں آئے گی تب علاج کرواؤں گا۔ انسانی زندگی کی گاڑی چلتی ہی اسی اصول پر ہے کہ ہر فن کے معاملہ میں اس فن کے ماہر پر اعتماد کیا جاتا ہے اور سطف یہ ہے کہ اسے اندھی تقلید نہیں کہتے۔ بلکہ اسے نہایت ہی معقول رویہ قرار دیتے ہیں۔ گویا اصول یہ ہے کہ فن کی بات ماہر فن سے پوچھو اور اس پر اعتماد کرو۔ دین کے معاملہ میں لوگوں کو خدا جانے کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے رسول کی بجائے اپنی عقل کو زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ اس ضروری تمہید کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

آپ کا پہلا سوال آپ کے الفاظ میں یہ ہے "قسمت کو ماننے سے کیا فائدہ ہے"

" اس کے انسانی زندگی کے کردار پر کیا اثرات ہوتے ہیں؟"

پہلے یہ سمجھئے کہ تقدیر یا قسمت سے کیا مراد ہے؟ قرآن حکیم میں اس کا مفہوم یوں بیان ہوا ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔

جہاں تک تقدیر کا انسانی زندگی سے تعلق ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر معاملے میں اللہ کے فیصلہ پر مطمئن ہونا۔ اس کے خلاف شکوہ شکایت نہ ہونا رہا اس کے ماننے کا فائدہ تو وہ ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ ایک طالب علم سال بھر محنت کرتا ہے امتحان میں بیٹھتا ہے فیل ہو جاتا ہے۔ یہ فیصلہ ممتحن کا ہے اس کا ردعمل دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ اول یہ کہ طالب علم جھنجھلائے ممتحن کو بُرا کہے بس چلے تو اس کے گزند کے درپے ہو جائے یا بہت حساس ہو تو خودکشی کرے۔

دوسرا ردعمل یہ ہے کہ آدمی سمجھے کہ اس کی محنت میں کمی رہ گئی ہے یا مجھے لکھنے کا صحیح طریقہ نہیں آیا اگر میں تھرڈ ڈویژن میں پاس بھی ہو جاتا تو یہ فیل ہونے سے بھی بُرا تھا۔ لہٰذا اچھا ہے کہ خوب محنت کر کے دوبارہ امتحان میں بیٹھوں گا اور فرسٹ ڈویژن لوں گا۔ اب آپ بتائیں کہ کونسا ردعمل بہتر تھا پہلا ہے کہ ممتحن پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا فیصلہ نہ ماننا۔ دوسرا ہے اس پر اعتماد کر کے اس کا فیصلہ مان لینا پہلی صورت میں بے چینی ذہنی کوفت یا خودکشی دوسری صورت میں بہتر مستقبل کی امید بس یہی معاملہ تقدیر کے فیصلہ کو مان لینے کا۔

یہاں ایک بات سمجھ لیں آپ نے کبھی یہ بھی سنا یا دیکھا کہ کسی طالب علم نے سال بھر کتاب کھول کے نہیں دیکھی سکول میں قدم نہیں رکھا امتحان میں بیٹھ گیا۔ فیل ہو گیا اسے یہ کہنا زیب ہے کہ قسمت ہی اچھی نہ تھی؟ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ پس تقدیر کو ماننے کا مطلب یہ ہوا کہ تمام ممکن وسائل سے مدد لے کر کوشش کرنے اور فیصلہ اللہ پر چھوڑ دینا اور جو فیصلہ ہو۔ اسے بخوشی قبول کرنا اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ زندگی نہایت سکون سے گذرے گی۔ اس کو کہتے ہیں اصول تفویض اور تقدیر پر ایمان نہ ہونا اصول تجویز۔ یعنی یوں ہونا چاہیئے یہ نتیجہ نہیں نکلنا چاہیئے وہ ملنا چاہیئے وغیرہ اس کا نتیجہ بے اطمینانی۔ بے چینی۔ بے سکونی اور پریشانی ہے۔

۲:۔ آپ کا دوسرا سوال آپ کے الفاظ میں کیا آدمی قسمت پر عمل کرتا ہے یا جو آدمی کرتا ہے وہ قسمت ہوتی ہے اگر آدمی قسمت پر عمل کرتا ہے تو وہ سزا کیوں پاتا ہے۔ جو کچھ آدمی خود کرتا ہے تو پھر قسمت کیوں ہے؟

جواب یہ ہے کہ قسمت پر عمل کیسے کر سکتا ہے کیا اس کو اپنی قسمت کا علم ہوتا ہے؟ آدمی عمل کرتا ہے یا تو کسی کے کہنے پر یا اپنی خواہش کے مطابق اب رہی بات سزا کیوں اور قسمت کیوں؟ تو یہ ایک مثال سے سمجھئے۔

آپ کو کسی نے ایک عمدہ چاقو دیا اس سے آپ فروٹ کاٹ کر کھایا کریں بچوں کی قلمیں بنایا کریں چاقو کی قسمت میں لکھ دیا گیا کہ اس کو جس چیز پر چلایا جائے گا یہ کاٹ دے گا۔ اب آپ نے اس چاقو سے کسی کا گلا کاٹ دیا۔ آپ کو سزا کیوں ملے جبکہ چاقو کی قسمت میں کاٹنا ہے سزا ملنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا۔ آزادی دی گئی کہ اپنی مرضی سے استعمال کریں۔ اور بتا دیا گیا کہ اس کا کام کاٹنا ہے تو آپ نے اپنے آزاد اختیار کو استعمال کرتے ہوئے فروٹ نہ کاٹا۔ کسی کا گلا کاٹ دیا۔ تو سزا ملے گی۔ اس سے آپ عمل اور قسمت کا تعلق سمجھ لیں گے۔ یعنی سزا اس بات کی ہے کہ آپ نے اپنا اختیار غلط کیوں استعمال کیا۔

۳:۔ آپ کے تیسرے سوال کے الفاظ یہ ہیں "حدیث ہے کہ بدبخت ماں کے پیٹ میں بھی بدبخت ہوتا ہے اور خوش بخت ماں کے پیٹ میں بھی خوش بخت ہوتا ہے۔ اس حدیث کا مفہوم کیا ہے اس حدیث کا مسلمان کی زندگی پر کیا اثر ہے۔"

اس حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لئے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان کے علم اور اللہ کے علم میں کیا فرق ہے۔ بات لمبی ہے مگر مختصر طور پر یوں سمجھیں کہ انسان کے علم میں ماضی، حال اور مستقبل ہوتا ہے یعنی ایک زمانے میں علم نہیں تھا پھر حاصل کر لیا پھر بھلا بھی بیٹھے اللہ کے علم میں سب حال ہی حال ہے۔ کوئی چیز نہ تو اُس کے علم سے پوشیدہ تھی نہ ہوگی۔ بلکہ ہر چیز کا علم اسے حال ماضی اور مستقبل کا ہر وقت ہے۔ اب جو ماں کے پیٹ میں ہے اس کے متعلق انسان کو تب علم ہوگا جب وہ پیدا ہوگا بڑا ہوگا اچھے یا بُرے کام کرے گا۔ تو لوگوں کو علم ہوگا۔ اچھا ہے یا بُرا ہے مگر اللہ کے علم کی صورت یہ نہیں بلکہ اُس کے علم میں ہے کہ بچہ پیدا ہوگا میں اُسے عقل دوں گا۔ سمجھ دوں گا۔ پھر اس کو ایسے آدمیوں کی تربیت میں رکھوں گا۔ جو اُسے اچھے اور بُرے کی تمیز سکھائیں گے پھر میں اُسے علم عطا کروں گا۔ پھر میں اُسے بتا دوں گا کہ یہ راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے۔ یہ راہ کامیابی کی ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد میں اُسے مجبور نہیں کروں گا کہ اُسی راستے پر چل بلکہ اُس کو آزادی دوں گا۔ کہ آزاد اختیار سے جو راہ تجھے پسند ہے اسی پر چل تو یہ اپنے آزاد اختیار سے نیکی کی راہ پر چلے گا۔ تو اللہ کے ریکارڈ میں خوش بخت لکھ دیا جائے گا۔ آپ کی مشکل یہ ہے کہ آپ اس تربیت کو الٹ دیتے ہیں یعنی آپ سمجھ لیتے کہ بدبخت لکھ دیا گیا۔ اس لئے ماں کے پیٹ سے باہر آکر بدبخت ہُوا۔

حالانکہ اصل ترتیب یہ ہے کہ یہ بات علم الٰہی میں ہے کہ یہ بڑا ہو کر برائی کی طرف مائل ہوگا۔ اس لئے بدبخت لکھ دیا گیا اور یہ بات سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے ایک بیمار کسی ڈاکٹر یا طبیب کے پاس جاتا ہے۔ ڈاکٹر اپنے آلات سے یا طبیب اپنی مہارت فن یا تجربے کی بنا پر اُسے دیکھ کر کہتا ہے کہ مریض تین دن کے اندر مر جائے گا۔ اور ایسا دیکھا گیا ہے کہ واقعی مریض اس عرصے کے اندر مر گیا۔ اب آپ بتائیں کہ کیا ڈاکٹر کے کہنے کی وجہ سے مریض مر گیا۔ یا مریض کی جسمانی حالت کو دیکھ کر ڈاکٹر نے اپنا فیصلہ دیا۔ آپ کبھی نہیں کہیں گے۔ کہ ڈاکٹر کے کہنے سے مریض مر گیا۔

تو یہاں آپ یہ کہوں کہتے ہیں کہ بدبخت لکھے جانے کی وجہ سے وہ بدبخت بن گیا۔ یہاں یہ آپ کیوں نہیں کہتے کہ جس ڈاکٹر کو اللہ نے یہ علم کیا کہ اُس نے مریض کی حالت دیکھ کر تین دن پہلے لکھ دیا کہ یہ اتنے عرصہ میں مر جائے گا اس اللہ کے اپنے علم پر آپ کو کیوں اعتماد نہیں کہ وہ تیس سال پہلے لکھ دے کہ یہ اپنی بدتمیزیوں کی وجہ سے بخت بنے گا۔

رہی یہ بات کہ اس حدیث کے مفہوم سے مسلمان کی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ انسان کی زندگی کا دارومدار اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے یا ٹھکرا دینے پر ہے۔ اپنائے گا تو کامیاب ٹھکرائے گا تو ناکام۔ اس حدیث سے مسلمان کے عقیدے پر یہ اثر پڑتا ہے کہ جو اللہ اتنا باریک اور وسیع علم رکھتا ہے بھلا میرا کوئی فعل اس سے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ میں انسانوں سے چھپ کر اگر کوئی بدتمیزی کرنا چاہوں تو کیا اللہ سے بھی چھپا سکوں گا۔ نہیں اور ہرگز نہیں اس لئے اس کا معاملہ اللہ سے نہایت کھرا معاملہ ہوتا ہے۔

لیجئے آپ کے تینوں سوالوں کا جواب تو ہو گیا مگر ان سے آپ کی تشفی ہوگی یا نہیں اللہ ہی جانتا ہے۔

والسلام

ناچیز عبدالرزاق عفی عنہ

جشن الیکشنوں کا

احمد نواز۔ گوجرہ

طویل مدت کے بعد ایک بار پھر انتخابی میلہ شروع ہوا اور ختم ہوگیا۔ لیکن اس کی رونقیں ابھی باقی ہیں اور ایک عرصہ تک باقی رہیں گی۔ یہ میلہ ہی ایسا ہے سال پہلے شروع ہوا تھا اور اب تک جاری ہے۔ اس میں ہر امیدوار کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس نے غریبوں کی خدمت کرنا ہے۔ لوگوں کے کام کرنے ہیں۔ ملک کی خدمت کرنا ہے۔ اور اس میں ہر امیدوار یہ ثابت کرتا ہے کہ میں ہی وہ واحد شخص ہوں جو تمہارے کام آسکتا ہے اور میرے مدمقابل میں ہر وہ عیب موجود ہے جو ایک بُرے سے بُرے شخص میں ہوتا ہے۔ اور پھر سے مجمع میں پورے خلوص اور پورے وثوق سے یہ بات کہتا ہے کہ اگر آپ مجھے کامیاب کروائیں تو میں یہ سب کام کروں گا۔ یعنی یہ وعدے مشروط ہوں گے۔ اور اس میں ہر پارٹی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ برسر اقتدار میری پارٹی ہو۔ خواہ اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔ خواہ اتحاد کرنا پڑے یا اتحاد کرکے توڑنا پڑے۔ اتحاد مردانہ ہو یا اتحاد زنانہ ہو۔ عزت رہے یا نہ رہے اس سے سروکار نہیں ملک کا سربراہ ہونا ضروری ہے۔

اس بار تو بازار کچھ اس طرح سجے کہ کسی تہوار میں بھی ایسی شان و شوکت نظر نہیں آئی جس طرف بھی نظر دوڑاؤ کٹنگ کانگ سائز کی تصاویر نظر آتی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے تصویری مقابلہ حسن ہو۔ کسی کی صورت آج سے بیس سال قبل کی لگتی تھی اور کسی کی صورت آج سے بیس سال بعد اس سے مطابقت کرے گی۔

ایک پارٹی کے نزدیک الیکشن کی کم اور جہاد کی تیاری زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ دن بھر گاڑیوں پر جنگی ترانا "اے مردِ مجاہد جاگ ذرا اب وقت شہادت ہے آیا" گونجتا رہتا تھا شائد آپ لوگوں کے شہر میں بھی ایسا ہی ہُوا ہوگا۔ چند شہروں میں بعض حضرات اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور مخالف کے حامیوں پر حملے بھی ہوئے لیکن نسبتاً حالات درست رہے۔

اس بار بھی چند جلسے سننے کا اتفاق ہُوا۔ امیدواروں کے وہی پہلے والے کردار تھے۔ وہی ایکٹنگ تھی۔ وہی کہانی جو پہلے دہرایا کرتے تھے اب بھی دھرا رہے تھے۔ بس یوں سمجھ لیجئے جیسے ہر پاکستانی فلم کی کہانی کی طرح جس کا انجام بالآخر ایک ہی ہوتا ہے۔ ہمارے ایک سیاستدان ہیں ان کا ایک دبرینہ دوست ان کے مقابلے پر آ گیا۔ دوست کو دوست کی کچھ نہ کچھ تو کمزوریوں کا پتہ ہوتا ہے۔ آخر چار دن اکٹھے کھایا پیا ہوتا ہے۔ نئے امیدوار کی شامتِ اعمال جو آئی تو پکار اٹھا کہ سیاست دان کی دوستی بھی بُری اور دشمنی بھی بُری۔

یکم نومبر کی اخبار پڑھ رہا تھا ایک خبر پر نظر ٹھہر گئی۔ لکھا تھا کہ ڈپٹی کمشنر جھنگ نے تمام شہر کے امیدواروں کو اکٹھا کر کے اُن کے لئے ضابطہ اخلاق مرتب کیا۔ پتہ نہیں ڈپٹی کمشنر صاحب کو کیا دال میں کالا نظر آیا۔ جانے کیوں اسے ان تمام لوگوں کے کردار مشکوک نظر آئے۔ خیر ہمیں کیا ضرورت پڑی کہ ان کی کردار کشی کرتے پھریں۔ اگر کسی نے کوئی غلطی کی ہوگی تو دوسرا خود بخود ہی اُسے بیان کر دے گا۔

عوام کو جتنی خوشی الیکشن کی ہے اتنی یقر عید کی بھی نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عید تو خود بخود سال میں ایک دفعہ نہ ور آ جاتی ہے دوسرے اس کی خوشیاں بھی تین چار روز ہی باقی رہتی ہیں۔ جبکہ الیکشن کا میلہ مہینوں گرم رہتا ہے اور پھر الیکشن کے لئے تو باقاعدہ حکومت سے احتجاج کیا جاتا ہے۔ لوگ سڑکوں پر نکل آتے ہیں بسوں کو نذرِ آتش کر دیتے ہیں۔ عمارتوں کے شیشے توڑ دیتے ہیں۔ گرفتاریاں تک دینے سے گریز نہیں کرتے۔ عید پر تو لوگ باوجود مہنگائی کے نئے کپڑے اور نئے جوتے خریدتے ہیں۔ الیکشن کے میلے میں کوئی بھی آدمی صرف پرانا لنگوٹ باندھ کر شریک ہو سکتا ہے۔ بغیر ہاتھ منہ دھوئے ووٹ ڈال سکتا ہے ہنگامہ کر سکتا ہے حکومت کو بدعنوان اور بدکردار کہہ سکتا ہے۔ پولیس پر پتھراؤ کر سکتا ہے اور مزے کی بات یہ کہ اس تمام تفریح میں اس کا ایک پیسہ تک خرچ نہیں ہوتا۔ قصہ مختصر یہ کہ عید کے میلے میں عوام صرف کتوں کی لڑائی، اونٹوں کی لڑائی اور مرغوں کی لڑائی دیکھ سکتے ہیں لیکن جو مزہ سیاسی حریفوں کے آپس میں گتھم گتھا ہونے میں ہے وہ اونٹوں کی لڑائی میں کہاں۔ سیاسی حریفوں کی ایک بار ٹھن جائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں نہیں چھڑا سکتی اور اونٹ چونکہ جانور ہے لہذا لوگوں کے چھڑانے پر صلح کر لیتا ہے اور پھر دو الیکشنوں کے درمیانی وقفے میں چاہے سو سال کا وقفہ ہی کیوں نہ ہو، جتنے ہنگامے، لڑائیاں جھگڑے اغوا کے کیس، قتل اور اقدام قتل کی وارداتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں ان میں سے پچاس فیصد کا تعلق کسی نہ کسی حال میں الیکشن کے میلے سے جا ملتا ہے۔ گویا کہ الیکشن کا میلہ چند ہفتوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ عوام الناس سال کے بارہ مہینے اس کھیل تماشے سے محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔

دیکھنے والی بات یہ ہے کہ امیدوار ایک ہے اور اس کے حلقے میں لاکھوں ووٹر ہیں۔ امیدوار ہر ووٹر سے باقاعدگی کے ساتھ ملاقات کرتا نظر آتا ہے۔ جسے ڈھونڈنا چاہیے اسے منٹوں میں تلاش کر لیتا ہے۔ کل ایسا نہ ہو کہ سو ووٹر ایک امیدوار کو ڈھونڈنے نکلیں لیکن وہ ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ آج تو یہ صبح سویرے آپ سے ملاقات کے لئے آ نکلتے ہیں لیکن کل صبح آپ ملاقات کے لئے جائیں گے تو یہ صاحب ابھی آرام فرما رہے ہوں گے پھر غسل فرمانے کی اطلاع آپ کو ملے گی۔ پھر ناشتے میں مصروف ملیں گے۔ اکثر آپ کی ملاقات ان کے دربانوں تک محدود رہے گی۔ اور آپ کو صرف انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ اور جب کبھی اچانک آپ پر شامت اعمال ٹوٹے گی تو یہ آپ کو میٹنگ ہال میں ملیں گے آپ شام کے بعد صاحب کو کسی حالت میں ڈسٹرب نہ کر سکیں گے۔

اس دور میں ایسا کیوں ہو رہا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا اپنا طریقہ انتخاب غلط ہو۔ ایک شخص کہہ رہا تھا کہ میں فلاں امیدوار کو ووٹ بالکل نہیں دوں گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ پچھلی بار ایک عزیز چوری کے کیس میں پھنس گیا۔ ہم اس کے پاس گئے تو اس نے مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

جہاں ہم نے دین کے باقی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا ہے وہاں ہم نے اسلامی طریقۂ انتخاب کو بھی یکسر بھلا دیا ہے اسلام کے سنہری دور میں لوگ ایسے شخص کو منتخب کرتے تھے۔ جو منفرد ہوتا تھا ایمانداری میں دیانتداری میں، تقوے میں پرہیز گاری میں۔ اخلاق میں۔ انصاف میں اور سب سے بڑھکر خوف خدا میں پھر اس کو مجبور کیا جاتا کہ عنان حکومت سنبھال لے۔ ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ یہ بار گراں اُس کے کندھوں پہ نہ پڑے۔ ایسا کیوں تھا؟ شائد اس لئے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ان کی نظروں میں تھے۔

۱:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس شخص نے خود قضا کی خواہش کی تو وہ اپنے نفس کے حوالے کر دیا گیا۔ لیکن جس کو مجبور کر کے والی بنایا گیا تو ایک فرشتہ اس کے لئے مقرر کیا جاتا ہے جو اس کو غلطی سے محفوظ رکھتا ہے (ابن ماجہ)

نمبر ۲ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، جس نے جان بوجھ کر ناانصافی کی وہ قاضی جہنمی ہے جس نے قانون سے عدم واقفیت کے باعث ناانصافی کی وہ بھی جہنمی ہے۔ جس نے حق کو پہچانا اور حق کے موافق حکم دیا صرف وہ جنتی ہے۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

نمبر ۳:۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، امارت کی ابتداء ملامت ہے۔ آگے چل کر ندامت ہے۔ آخر میں دوزخ کا عذاب ہے۔ مگر جس نے انصاف کیا۔ لیکن قرابت داری اور رشتہ داری میں کون انصاف کر سکتا ہے۔ (طبرانی)

نمبر ۴:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ مجھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر یہ عہدہ بدون طلب کے مل جائے تو خدا کی اعانت و تائید شامل ہوگی۔ لیکن اگر اپنی سعی اور کوشش سے حاصل کیا تو خدا کا ہاتھ اٹھ جائے گا۔ اور اس کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ کی جائے گی۔

(بخاری مسلم)

یہ تھا طریقہ اسلام کے سنہری دور کا اور پھر جس کا چناؤ ہوتا تھا وہ بھی حکومت کا نظام چلانے کے لئے ملک کے اندر گورنر مقرر کرتا، قاضی مقرر کرتا جو حکومت چلانے میں اس کے مددگار ہوا کرتے تھے۔ اور اگر کسی علاقے سے کسی گڈریے نے بھی گورنر کے خلاف شکایت کر دی تو گورنر کو طلب کر لیا جاتا اور اس کو جواب دہ ہونا پڑتا تھا۔

ہمارے ہاں نئی مصیبت جنم لے چکی ہے۔ یہاں لوگ مغربی جمہوریت کے دلدادہ ہیں۔ یہاں سر گنے جاتے ہیں جو ایک خودسر کا چناؤ کرتے ہیں۔ جس کا ناتھ روکنا مشکل ہوتا ہے اور آپ اس کی شکایت بھی نہیں کر سکتے۔ آپ صدر یا وزیر اعظم سے شکایت کر بھی لیں تو یہی جواب ملے گا کہ جی ہم کیا کر سکتے ہیں آپ ہی نے اُن کا چناؤ کر کے اُن کو یہاں بھیجا ہے۔ کوئی اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور غور طلب بات یہ ہے کہ جنہیں ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اکثریت رائے سے برسر اقتدار آیا ہے۔ عموماً وہ اکثریت رائے سے کامیاب نہیں ہوتا۔ آپ غور کریں ایک حلقے میں دس امیدوار کھڑے ہیں جو شخص کامیاب ہوتا ہے کیا وہ باقی چار کے برابر ووٹ حاصل کر لیتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ کہا یہ جائے کہ وہ اقلیت جو منظم طریقہ سے اپنی تمام تر چالاکیوں کے ساتھ کوشش کرے وہ اکثریت پر مسلط ہو جاتی ہے۔

عجیب دستور محفل ہے انوکھا دور ہے ساقی
جسے پینا نہیں آتا اسی کا جام ہوتا ہے

وہ لوگ جنہیں اللہ کریم نے موقع فراہم کیا ہے۔ عزت بخشی ہے، نمائندہ مقرر کیا ہے۔ جہاں انہوں نے اپنے حلقوں کے لاکھوں انسانوں سے بے شمار وعدے کر رکھے ہیں۔ وہاں انہوں نے اپنے رب کریم سے بھی چھپ چھپ کے وعدے کئے ہیں۔ خدا سے ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا مانگی ہے۔ امیدواروں کو سورۃ یٰسین کے ختم کرواتے۔ آیت الکرسی پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب اُسے مت بھول جانا ان لاکھوں انسانوں کی مدد کے لئے آپ نے رب کریم سے مدد مانگی ہے جو آپ کو عطا کر دی گئی۔ اب اس کی رضا کے لئے کام کرتے رہنا۔ اس کی خوشنودی کے لئے کام کرتے رہنا۔ آپ نے خود ہی لاکھوں انسانوں کے حقوق ادا کرنے کا ذمہ اُٹھایا ہے اب اگر اُن کے حقوق ادا نہ ہوئے اُن کو کوئی تکلیف پہنچی تو خدا کے ہاں آپ کو بہر حال جواب دہ ہونا پڑے گا۔

فکرِ امت

اشفاق احمد ناصر

اللہ تعالیٰ کی رحمت عام جناب رسول پاکؐ کی صورت میں ہمارے لئے رحمت خاص بن کر آئی۔ اللہ تعالیٰ کی آخری مکمل اور جامع کتاب ہدایت، قرآن پاک ہمیں حضورؐ کے توسط سے ملی۔ قرآن پاک پر مبنی آسان، مختصر اور جامع پروگرام، شریعت محمدی، جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہے۔ حضور کے ذریعہ دستیاب ہوا۔ اس تعلیم پر مبنی مثالی معاشرہ اور مثالی مملکت جناب رسالت مآبؐ نے قائم کرکے دکھایا۔ تاکہ ہمیشہ انسان کے لئے ہدایت آئیڈیل اور مقصد رہے۔ قرآن پاک کی عملی تفسیر حضورؐ نے اپنی حیات طیبہ کی صورت میں پیش فرمادی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ حضور اکرمؐ نے ہر اُس چیز کا پریکٹیکل نمونہ پیش کیا جس کا وہ درس دینا چاہتے تھے۔ دوسری طرف وہ یہ بھی بتانا چاہتے تھے کہ قرآن پاک میں موجود آیات کا عملی مطلب یہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہر کوئی اپنی مرضی سے اُس کے معانی بتاتا ہے اور یہ کہے کہ اس کی تعلیمات قابل عمل نہیں ہیں۔ اس طرح حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے محبوں کو اپنی متابعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا بلند مرتبہ حاصل کرنے کا موقعہ بہم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کو جناب رسول مقبولؐ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اتنے محبوب کہ جتنی دنیا کی کوئی اور چیز نہیں۔ اسی محبوبیت کی وجہ سے جو کوئی حضور سے محبت رکھتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ گویا جو بنی نوع انسان حضورؐ کی مشابہت اختیار کرتا ہے حضور سرورِ کائناتؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے، ہر وقت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے درپے رہتا ہے۔ کسی کام کو اللہ کے حضور کے بتائے طریقے کے بغیر نہیں کرتا۔ تو بس اُس نے فلاح پالی اور وہی اللہ کا محبوب بن گیا۔

اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں ارشاد فرماتے ہیں (ترجمہ)

"ان سے کہہ دیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری متابعت کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔" (آیت ۳۱)

اس لئے جو شخص یہ چاہے کہ اُس کا پیدا کرنے والا اُس سے خوش ہو جائے اُسے اپنے بنانے والے کی خوشنودی حاصل ہو وہ اللہ تعالیٰ کے کامیاب ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ حضور اکرمؐ کا ادب توقیر اور متابعت اختیار کرے۔

حضور اکرمؐ کو اپنی امت سب سے زیادہ محبوب ہے اس لئے جو شخص حضورؐ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہے تو حضورؐ کی امت کی

خیر خواہی کرے اُس کی خدمت کرے۔ اس کی بھلائی کے لئے کوشاں رہے۔ بروقت اُس کی بہتری کے بارے میں سوچے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی سوچے امت کی بہتری کے لئے اُس کے جوڑ کے لئے اور اُس کی ہدایت کے لئے سوچے۔

جو لوگ حضورؐ کی اُمت میں نفاق ڈالتے ہیں آپس میں لڑاتے ہیں یا غیر مسلموں سے مل کر اُمت مسلمہ کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے ہیں وہ حضورؐ کی نظروں میں ناپسندیدہ ہیں۔ وہ حضورؐ کی خوشنودی کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور جب وہ حضور کی خوشنودی کو حاصل نہیں کر سکتے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کا کیسے سوچتے ہیں۔

حضورؐ کی نسبت سے ہم ایک اُمت ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو یہود و نصاریٰ بھی مانتے ہیں۔ گویا مسلم اور کافر میں فرق صرف حضور اکرمؐ پر ایمان لانے یا نہ لانے میں ہے۔ امت مسلمہ میں داخل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اقرار ہی نہیں بلکہ اُس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوبیت حاصل کرنا ہے۔

اسی طرح مومن اور منافق میں فرق حضورؐ سے محبت رکھنے یا نہ رکھنے سے واضح ہوتا ہے اور حضور سے محبت کیسے رکھی جائے؟ وہ اس طرح کہ اگر "اقرار باللسان" کے بعد وہ حضورؐ کے افکار کی پیروی نہیں کرتا تو گویا وہ منافق ہُوا اور اُسے حضورؐ سے محبت نہیں۔ اور اگر وہ حضورؐ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اپنے روزمرہ کے معمولات کو انجام دیتا ہے تو اُس کی محبت حضورؐ سے واضح ہوتی ہے۔ اگر دنیاوی زندگی میں دیکھا جائے تو جس شخص سے کسی کو محبت ہو جاتی ہے وہ اُس کی بات کو سُنتا ہے۔ مانتا اور پھر عمل بھی کرتا ہے۔ گویا وہ ہستی اُس کے لئے احترام کے لائق ہوتی ہے وہ اُس کی بات کو جھٹلانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

یہی حالت ایک مومن کی ہے اُسے اپنے محبوبؐ سے محبت ہوتی ہے تو پھر اُس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی حالت میں بھی حضور کا کہا مجھ سے چھوٹ نہ جائے اور یہی چیز اُسے اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بنا دیتی ہے۔

"قرآن پاک کی رو سے حضورؐ مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہیں خود حضورؐ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کا ایمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک سرور کائنات اُسے دنیا کی ہر ایک چیز سے زیادہ محبوب نہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ سورہ الحجرات میں واضح اعلان فرماتے ہیں۔

(ترجمہ)

"تم میں سے کوئی بھی حضورؐ کی شان میں بے ادبی نہ کرے ورنہ اُس کے سارے اعمال ضائع جائیں گے۔"

اسی سورہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے واقعہ کو بیان کیا گیا جب کسی بات پر دونوں خلفاء کی آوازیں حضور کی آواز سے اونچی ہو جاتی ہیں تو سرور کائنات کا پیدا کرنے والا برا مان جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ اپنی آوازوں کو حضورؐ کی آواز سے نیچا رکھا کرو۔ گویا اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں کہ اُس کے محبوب کی آواز سے اونچی کسی کی آواز ہو۔ یعنی جب حضورؐ کے سامنے بات کرو تو دھیمے لہجے میں۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس شخص سے کیسے راضی ہو سکتا ہے۔ جو حضورؐ کی اطاعت نہیں کرتا۔ وہ لوگ بھی تو تھے جو حضورؐ کی محبت میں اپنے آپ کو بھول جاتے تھے۔ انہیں صرف اور صرف حضور کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہوتا تھا۔

گویا حضورؐ کا ادب تقویٰ ہے اور تقویٰ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اسی کو اللہ کے ہاں عزت کا معیار ٹھہرایا گیا۔

پھر امت مسلمہ کی خیر خواہی حضور کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ خود حضورؐ کو اپنی امت کی فکر تھی۔ وہ راتوں کو کھڑی ہوتے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے۔ اے میرے پیدا کرنے والے تو میری امت کو بخش دے۔ کیا وجہ تھی۔ وہ فکر تھی اس امت کی فکر اور پھر ہر ایک بات کا عمل۔ وہ کر کے بتانا چاہتے تھے کہ جیسے میں (حضور) پوری امت کے لئے فکر مند ہوں۔ تم میں سے جو لوگ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں تقویٰ اور پرہیز گاری میں بڑھ جائے اور میری خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہوں تو میری امت کی فکر کریں۔ حضورؐ کی زندگی کا آخری لمحہ ہے اُن کا رابطہ اس فانی دنیا سے عارضی طور پر ٹوٹنے والا ہے۔ ملک الموت حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے اے اللہ کے پیارے محبوب اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اللہ کے حکم سے آپ کی روح قبض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے صرف اپنی امت کی فکر ہے۔ میں اللہ سے صرف اس امت کی بخشش مانگتا ہوں۔

حضورؐ کی شان دیکھئے کہ فرشتے اور خود اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پر درود و سلام بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے لوگو تم بھی میرے محبوب پر درود بھیجا کرو بے شک میں تمہیں بخش دوں گا۔

اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور محکم بات کہو (القرآن)

قومی وحدت، ملکی سالمیت، اسلامی اقدار اور
تعمیری صحافت کا پاسدار، تعمیر و تہذیب اخلاق کا علمبردار

روزنامہ

وفاق

جو لاہور، راولپنڈی، سرگودھا اور رحیم یار خان
سے بیک وقت شائع ہوتا ہے،

آپ کو دنیا بھر کے واقعات سے
باخبر رکھتا ہے،

فون نمبر

لاہور ۳۰۲۸۶۲ راولپنڈی ۵۵۴۱۶۲ سرگودھا ۶۲، ۶۵ رحیم یار خان ۳۶۶۲

چندہ بھجواتے وقت کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجیں ۔ شکریہ

ماہنامہ المُرشد الوہاب مارکیٹ غزنی سٹریٹ ۳۸ اُردو بازار لاہور ۷ فون ۲۲۰۳۵۷

خریداری نمبر _____ تاریخ ادائیگی _____

نام _____

شہر _____ ضلع _____

پتہ _____

_____

○ سالانہ خریدار ۱۰۰ روپے ○ تاحیات ۱۰۰۰ روپے

تبدیلیٔ پتہ

خریداری نمبر _____

نام _____

موجودہ پتہ _____

_____

پرانا پتہ _____

_____

دفتر ماہنامہ المرشد الوہاب مارکیٹ ۳۸ اُردو بازار لاہور

Phone : 516734
Res: 448914

AL-BARKAAT ESTATES

Property Consultants/Advisors
Rent Purchase & Sales

Capt. (Retd.) Khurshid Ahmed

6, 13-C, 12th Commercial Street Opp. Highway Motors
Phase 2, Defence Housing Authority Karachi.

ٹیلیفون ۵۴۶۷۳۴

البرکات اسٹیٹس

مشیرانِ جائداد

مکان، بنگلہ، کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے، خریدنے یا فروخت کرنے نیز قطعات اراضی کے لیے ہم سے مشورہ کریں۔

کیپٹن (ریٹائرڈ)
خورشید احمد

۶، ۱۳، سی، ۱۲ کمرشل سٹریٹ بالمقابل ہائی موٹرخ،
فیز ۲۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی،

THE INSTRUCTIONS

BY
MAULANA MUHAMMAD AKRAM AWAN

The subject that I want to dilate upon with reference to the recited verses of Surah Younas , forms the basis of our mission. The first point relates to the nature of Tasawwuf and Sulook. People have diverse views about it. Some emphatically question its necessity in the presence of Allah's Book and Sunnah and quote the Holy Prophet (Sall Allah-o Alaihi Wa Sallam): " I leave behind two things with you: Allah's Book and my Sunnah. If you hold them fast, you would never go astray." This group contends that there is just no room for a third element in religion. On the other hand, a group maintains that, without a shaikh, no one can attain salvation in the Hereafter or can become a good Muslim . The third group contends that Tasawwuf has been derived from Hinduism. The Hindus were expert in occult sciences and the Muslims have learnt such practices from them, which have no place in Islam. There is yet a fourth faction who assign everything to their shaikh and believe firmly that he shoots their every trouble. In short, their shaikh gives them everything and they would get nothing without him.

The Gracious Lord has always preserved the light of guidance and will preserve it forever. It is His decision that the teachings and the blessings of His Holy Prophet (SAW) would continue to reach the humanity in their original purity till the last day of this universe. What is going to be their form and what is that Tasawwuf which we term as Holy Prophet's (SAW) blessing? Tasawwuf is the development of an inner attribute to trust Allah. It is an esoteric state of the heart which cannot be acquired by reading books. You know that no body has ever become a physician or an engineer merely by reading books. The books only impart theoretical knowledge, which must always be substantiated by practical experience at a certain stage of the learning process. This combination of theory and practice produces an accomplished engineer or doctor. The books can yield only words.

The Gracious Lord has always preserved the light of guidance and will preserve it forever.

The desire and the urge to adopt and act upon the Holy Words was

generated by the company of the Holy Prophet (SAW). It was the Allah's Book recited by the best reciter in the world, the Holy Prophet (SAW), but the disbelievers did not profess faith and died as infidels. However, those who believed, were elevated to the status of Companionship, by a moment's company of the Holy Prophet (SAW). There is an ocean of difference in the inner states of the heart of a Companion and other believers. According to Hadith, a non Companion cannot equal the recompense of a handful of oats given by a Companion in Allah's way , even by spending a Ahd size mountain of gold. The Companion was blessed with that inner realization of Divine Nearness which could not possibly be acquired by a non Companion. The effect of the blessings of the company of The Holy Prophet (SAW) so elevated the Companions as to place them directly before Allah. They listened to the Divine revelation with that degree of faith as if Allah Himself was speaking to them. They acted upon Divine Commandment with the sure conviction of its truth. The branch of knowledge related to the dissemination and acquisition of these inner states came to be known as Tasawwuf just as various other branches of religious knowledge were termed as fiqh, Hadith, tafsir etc.

Tasawwuf is the flow of Divine light, strength and blessed inner states from one bosom to the other. If we remain with a person carrying these blessings, we would also acquire them. We shall see ourselves before our Lord and feel His Presence. We shall realize that our Lord is always Aware of all our needs and shall feel convinced that He alone controls the entire universe, every thing belongs to Him and He alone is worthy of worship. Now whenever these inner states of the heart could not be acquired for lack of effort or the non-availability of the right person, rituals like the Hindu rituals crept in. Then pir (spiritual leader) came in between us and our Lord like the Brahmin in Hinduism and the priest in Christianity. We thought that we could have access to the pir only, beyond that was his job. When others watched this situation, they concluded that Tasawwuf was derived from the Hindu cult. Some said that it was a parallel religion, while some contented that there was absolutely no room for Tasawwuf in Islam. All these groups base their opinions on our current environment. But if they come to know the truth or get the opportunity to remain in the company of a blessed soul, it would initiate a positive change in their hearts. They would find no reason for its denial, actually based on our weaknesses, both of the pir and of his devotees.

The solution of this problem has been presented in these verses in the most beautiful manner. It is as-

serted with strong emphasis that those who attain Allah's friendship will neither fear nor grieve. Fear denotes apprehension about future, while grief means sorrow about the past. The blessings of Allah's wilaya (friendship) carry so much peace and satisfaction that a human being is neither worried about the future nor obsessed by the past. He develops a special relationship with the Supreme Power. Although the whole creation belongs to Allah but this person develops such a strong relationship of faith and trust that the sorrows of past haunt him no more. After all, he has arrived at his destination, may be after a million ordeals. Those who reach the destination, forget the miseries of the journey. Similarly, they are not bothered about the future but feel reassured. This future includes death, the events that follow, Resurrection and the life of the Hereafter. Come what may, His protection is sufficient for them. If the President of a country is someone's personal friend, he would not bother for any body else. If you tell him that the police or the income tax department is very strict , that won't have any effect on him. He knows that the head of all these departments is his friend. No one can harm him under this protection. Similarly, will anyone who has a real connection with Allah, care about the insignificant events of this world? However, if these small worldly incidents really worry us, we would have to review our relationship with Allah. Is our proclamation of the faith only verbal or do we have a heart rooted connection with Him? There is a vast difference between the two attitudes.

We invite you to come and stay with us for sometime. We won't ask you to do anything which is forbidden by the religion. Remain within the permissible limits of Shariah, eat the pure and lawful, offer your prayers at the appointed times and perform Allah 's zikr with us .

In the hustle bustle of today, we extend an altogether different invitation. We invite you to come and stay with us for sometime. We won't ask you to do anything which is forbidden by the religion. Remain within the permissible limits of Shariah, eat the pure and lawful, offer your prayers at the appointed times and perform Allah 's zikr with us . Not only your heart will start remembering Allah, but every organ and each cell of your body would reverberate with His Name. What shall be the effect of Allah's zikr? You will start trusting Allah and develop a strong sense of belonging to Him. You shall hesitate from imploring anyone accept Him. Who are

aulia Allah (Allah's friends)? Those who believe Him and develop such a strong relationship with Him that they hate to disobey Him and feel embarrassed to entreat anyone except Him.

Let me speak for my self. I am like a stone lying in a quagmire. I am there so that the wayfarers step on me and cross over safely to the other side. So far it is alright . But , if one decides to camp on the stone, he would never get to his destination. Similarly, if some one tries to push down the stone under the marsh, he would disrupt the way and deny a passage to the oncomers. Both actions would be equally deplorable. This world is functioning according to a set Divine pattern. There are various cures for diseases in different medical sciences. Similarly, there are supplications of The Holy Prophet (SAW) and his medical prescriptions for various ailments. At times, some diseases are also cured by reciting the verses of the Holy Quran and blowing upon them. But there is a limit to such practice and these methods should only be used once a while. It would be grossly incorrect to use this relationship purely for worldly purposes and reduce it to talisman trading. That would not be the path of guidance . I emphasise this because I am fed up of people asking amulets from me. That is not my profession. I am no one to challenge Divine decisions . I possess no authority whatsoever, to increase or decrease Allah's creation. I have no amulet to create any one against Divine will nor can I stop anyone coming into this world. I cannot dispense health to anyone whom He decides to give illness nor can I make any one sick when He desires to grant him health.If He bestows prosperity on some one, I cannot hold His Hand and if He afflicts someone with adversity, I cannot give away anything from His treasures. I am an ordinary human being like you , at times even weaker. Presently, I have poorer health than most of you. How can I, who himself gets sick, grant you health? Why do you expect provisions from the one who feels hungry himself? How can anyone, who himself requires sleep, protect you? If you come to me with these expectations, then I take Allah as a witness, that I am absolutely of no use to you. I declare it today and shall submit the same before my Lord on the Day of Judgement that I had duly cautioned you. If some one still deceives himself, that would be his personal decision. However, I openly acknowledge Allah's great favour that in a single glance I can infuse Allah's zikr in every cell of a person's body . By Allah's grace, I can accomplish that job in a moment for which renowned sufis require a lifetime. This is His sublime grace. If you are looking for Him, it is your good luck to find a strong stone in the marshy sur-

roundings. You can step over it to reach Allah's audience but you cannot carve idols from it. I dislike when some one assigns undue importance to me. I don't like that people should kiss my hands. I feel most annoyed when you demand unnecessary amulets from me. I am not against amulets but I am definitely against this proposition of ignoring Allah and turning towards the creation. These amulets should not be given more importance that medical science. They may have positive effect and they may not. But it is very unfair to demand amulets because the child cries too much or the cow doesn't milk. Do you think the child will start reciting poetry after getting the amulet? Does he know any thing else except laughing or crying? He would always cry to express his needs and problems or to attract your attention. I leave it to your judgement that if you find some one distributing diamonds and jewels and also selling carrots and radish, what would you choose? Will you decide to take the insignificant vegetables along and leave the precious diamonds behind for a later visit? You would surely prefer the more valueable items because your eyes can see them and the mind can compute their relative values. If your intellect can evaluate worldly items there, why does it fail to discern and select the better commodity here. Perform Allah's zikr. This is the rarest and most precious commodity in the whole world. It is Allah's sole decision to create people or give them death. He is not bound by anybody's amulets. It is His Own decision to grant abundant provisions to His slaves or straiten them. I am an ordinary human being. You know that I haven't tasted sugar since months. I purchase bags of sugar but cannot use a single grain myself, because He has prohibited it for me . When this is my own condition, how can I alleviate your sufferings. If you come here to perform Allah's zikr and if He is present in your hearts, then why do you require my help to solve your small worldly problems? Why can't you refer these directly to Allah ? I spent quarter of a century with my Shaikh. Raja Muhammad Yousaf also spent twenty two years with him. Haji Muhammad Khan was there even before us. Both of them are witnesses that I never got a single amulet in my twenty five years long association with my Shaikh. Weren't we human beings? Didn't we have families? Didn't we fall sick or undergo other worldly trials? Of course we faced all these problems but we knew that the blessings which we wanted to acquire from our Shaikh were most superior, precious and sublime. We, therefore, did not care about any thing else. I have preserved the letters of my Shaikh. When he wrote to us, he asked us to pray for his problems. I used to feel surprised that he was asking us for

prayers. At that time it appeared strange, but now I realize that it was a part of our training. Before we asked him for amulets, he implicitly told us that he himself had to beg everything from Allah and we should also implore His mercy both for ourselves and for him. It is important to teach the seeker to ask everything from Allah. If you have already made me a holy shrine during my life, then you are definitely going to hoist all kinds of flags an my grave. Our precursors were pious and virtuous people. Their tombs are still plain, without a single brick and they are resting under the same few spades of clay spread over them on the first day. Although, this whole Order, from Kashghar to San Fransisco, actually belongs to them, no body has spent a penny on their graves. It is because the world neither found its way into their hearts nor it can ride their graves now. On the contrary, millions of rupees were spent for construction of domes on the tombs of the minions of the world. They did not spare the national wealth even after their death. But our models and ideals are our pious precursors. I don't want that you hoist flags on my grave tomorrow or decorate it with colourful mirrors and lights or hold musical concerts on it. If you want to take pity on yourself, then don't try to drag me in this quagmire. Allah willing, I shall also rest alone like my Shaikh,in a plain ground. It is strange that you demand amulets for crying children and frightened wives at a place where Divine refulgence is being distributed. A place where Allah's zikr is taught and suffused into the whole body including the skin and hair. Isn't unfair to leave this blessing and insist on amulets? Health and disease, wealth and poverty, strength and weakness, youth and old age, rise and decline, visit every house. It is a normal routine of this world. This is a Divine system which no one can change. The children of rulers become beggars in the same country and emperors are born in the posterity of destitutes. Strong people who crush down walls in their youth, walk with groggy legs, holding the same walls in their old age. A time comes when clear sighted people who could see for miles, start groping for things. This system is ordained by my Lord. Neither you, nor my amulet nor any body's blowing out can avert it. If you feel otherwise, you are mistaken. I do not want to become a living tomb. By Allah, I dislike that you stand up for me. I feel comfortable in living like a common man. I have my own duty and responsibility and you have your own. Respect and reverence do not warrant outward expression but automatically manifest themselves through one's speech and conduct. If a person expects others to rise in his honour, his desire is sufficient to invite Divine wrath for him.

غُبارِ راہ

بے حد شگفتہ، اُجلی اُجلی اور جذب کرنیوالی تحریر

جس میں سفر بھی ہے، سیر بھی ہے، مزاح بھی ہے، تہذیبِ مغرب کی عکاسی اور تجزیہ بھی ہے۔ مگر ان سب کے علاوہ اور ان سب پر مقدم اِس مُقدّس اور عظیم مشن کی تکمیل اور اَپنے فرض کی ادائیگی کا احساس ہے جو اس تحریر کو ایک مُنفرد شان، حُسن اور مقصدیّت بخشتا ہے۔ اِس پائے کی تحریر صرف ایک ہی قلم کی زینتِ نوک ہو سکتی ہے

شیخ المکرّم حضرت مولانا مُحمّد اَکرم مدظلہ،
کے سفرناموں کا مجموعہ
عنقریب مارکیٹ میں آرہا ہے

49.864
494864